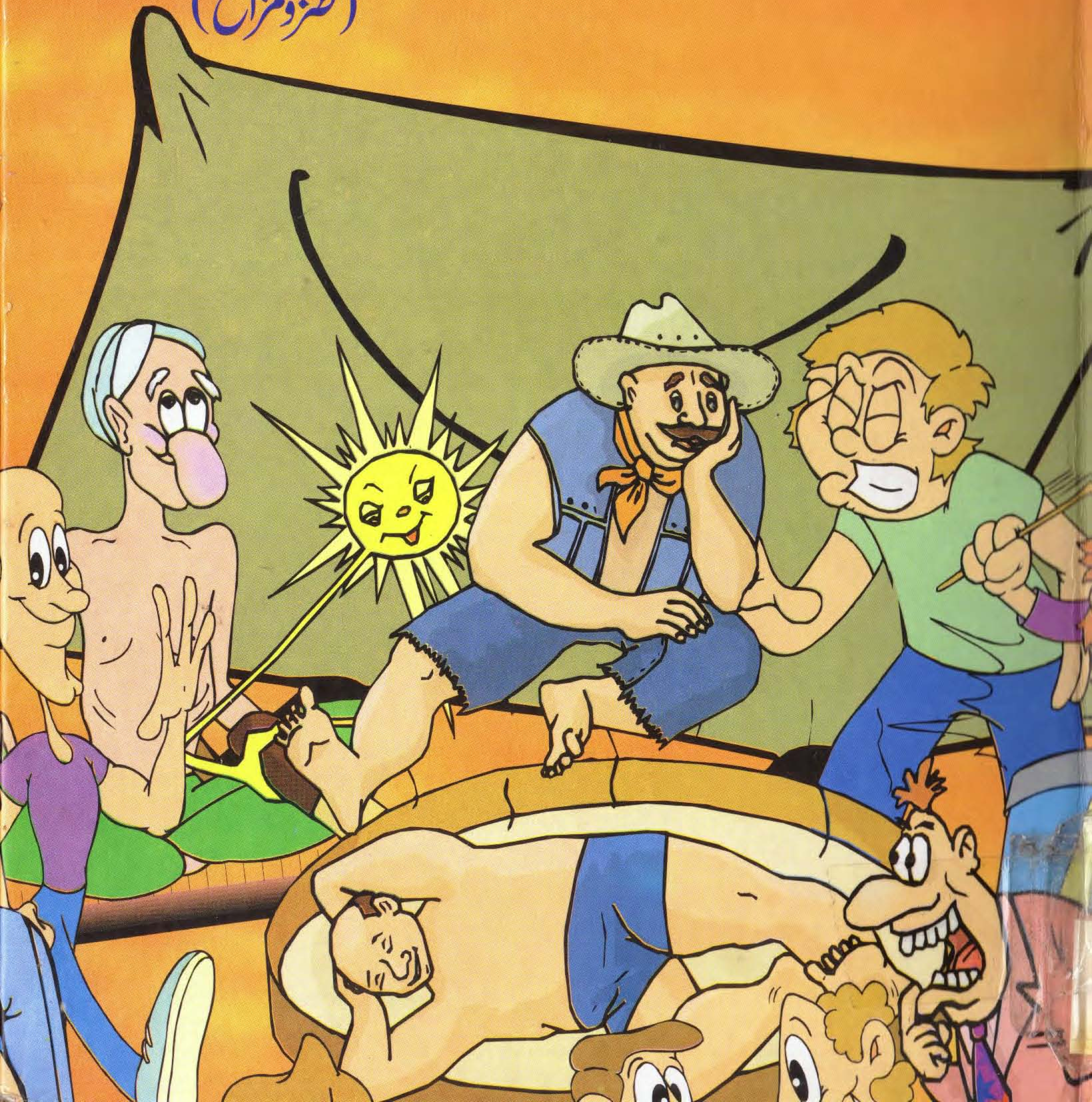
ڈاکٹر عباس برمانی

احمقوں کی جنت

(طنز و مزاح)



محمد خالد اختر

کے نام

فہرست

تلخیص: ''تاریخ چیتا شاہی''

تصنیف: تیندوا خان شیرانی

بیان کرتا ہے حقیر فقیر پر تقصیر نوابزادہ تیندوا خان شیرانی کہ باپ اوس کا نواب شیر خان اور دادا اوسکا شہزادہ ببر شاہ اور جدامجد حضرت سلطان عادل چیتا شاہ کہ حاکم ملک ہند کے تھے۔ جملہ واقعات فقیر نے اپنے والد ماجد حضرت شیر خان جنت مکانی سے گوش گزار اپنے کیے اور اونھوں نے اپنے پدر بزرگوار حضرت ببر شاہ سے سماعت فرمائے' اور یہ فقیر ان کو احاطۂ تحریر میں لائے۔ برائے افادۂ خاص وعام وبہ نیت حفاظت تاریخ جدامجد حضرت چیتا شاہ سلطان عادل۔

نسبِ حضرت عالی:

حضرتِ عالی قبیلہ افاغنہ سے تعلق رکھتے تھے جو کہ ملک سور سے تھے کہ مابین ہرات وقندھار واقع ہے' والد اونکے سردار قبیلہ اپنے کے تھے اور ہمہ وقت پانچ صد نفر اسپ سوار اور تین صد نفر شتر سوار و ہزار نفر پیادہ فراہم رکھتے تھے۔ دبدبہ اون کا بے پناہ اور طاقت و استعداد جنگی بے حساب تھی۔ اکثر اوقات ملک ہرات وقندھار کو غارتگری اپنی کا نشانہ بناتے تھے۔ بسا اوقات ملک غزنی' کابل اور حتیٰ کہ ملک فارس تک دھاوے بولتے تھے۔ غنائم بے شمار ولونڈی غلام بے حساب تصرف میں لاتے۔

قصد پدر بزرگوار حضرت عالی بہ سوئے ملک ہند:

ایک روزِ روشن کو کہ جناب گرگ خان پدر حضرت عالی قصد غارتِ ملک

ترکمان کا کر کے اسبابِ سفر و جنگ مہیا کرنے کے احکامات صادر کر رہے تھے کہ ایک فقیر سیلانی قبیلۂ خویش کا جو ملک ہند کی سیر کو گیا تھا ناگاہ واپس آیا اور خبر افراتفری و طوائف الملوکی و خانہ جنگی مابین مغلانِ ملک ہند کی لایا اور مال و دولت ہند کا ذکر کر کے شوق آں جناب کو فتح ہند کا دلایا۔ آں جناب نے طبل کوچ کا بجوایا اور بمع قبیلہ خویش و دیگر مردمان غنائم خواہ ایک لشکر جرار ہمراہ لے کر سوئے ہند روانہ ہوئے۔

بیت

روانہ ہوئے سوئے ہندوستاں
سبھو شیر چیتے الٰہی اماں

عبورِ درۂ بولان و شورشِ مردمانِ بلوچ:

لشکریانِ پدرِ حضرت عالی گرگ خان سوری کہ مانند سیلابِ بلا و پیغام قضا سوئے ہند بڑھے چلے جا رہے تھے وے جب درۂ بولان کہ کوہستان بلوچ میں واقع ہے پہنچے تو شورشیان اور غارتگرانِ بلوچ کہ اسپ ہائے کوتاہ پر سوار تھے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں لشکر افاغنہ پر دھاوے بولنے لگے، وے اچانک پہاڑی ڈھلوانوں پر نمودار ہوتے اور مار دھاڑ کرتے غائب ہو جاتے، کئی شتران، اسپان، گوسفندان و بزان وے لے اڑے اور بہوت نقصان لشکر کا کیا۔

بیت

بلوچوں کے ہاتھوں جو گھائل ہوئے
بلا شک وہ جنت کے سائل ہوئے

حضرت گرگ خان سوری نے ثبوت نہایت دانش مندی کا دیا اور بجائے الجھنے کے ان بھوتوں سے رفتار اپنی تیز کی تا جلد از جلد اس سرزمین غارتگراں سے نکل جاویں۔ چنانچہ پروا نقصانات کی نہ کرتے ہوئے سفر برق رفتاری سے جاری رکھا اور وارد ملک سندھ ہوئے۔

غارتِ شکارپور و بارانِ داد و دہش:

لشکریانِ گرگ خان نصف شب کو داخلِ شکار پور ہوئے، باشندگانِ شہر کو عالمِ غفلت و خواب میں جا لیا، گھروں اور منڈیوں کو لوٹ لیا یوں غنائم بے حساب لشکر کو بارگاہ ایزدی سے عطا ہوئے۔ جن میں پانچ صد مرتبان تو شکار پوری اچار کے ہی تھے۔

حوالیٔ شکار پور میں موجود صدہا طالع آزما لشکر مظفر و منصور میں بھرتی ہوئے۔

حضرت گرگ خان نے بارش داد و دہش کی لشکریوں پر برسائی اور صبح سے دوپہر تک مٹھیاں بھر بھر روپے اور ٹکے ان پر پھینکتے رہے لشکری ان کی چھینا جھپٹی میں مصروف رہے، منظر قابل دید تھا، لیکن دوپہر کو جب سلسلہ حاتم دوراں کی بارانِ سخاوت کا تھما تو دو صد کے قریب لشکری گھائل اور بیس نفر کچل کر شہید ہو چکے تھے۔ گھائل لشکریوں کو بغرض علاج حوالے طبیبوں اور ویدوں کے کیا گیا اور تجہیز و تکفین شہداء کی عمل میں لائی گئی۔

قطعہ

سپاہی جو جاں سے گزر جائیں گے
یہ مت سمجھو جاہل کہ مر جائیں گے
ابد تک وہ زندہ رہیں گے عزیز
جگہ اپنی جنت میں کر جائیں گے

غارتِ منڈی یزمان و فتح بٹھنڈہ:

بوجہ لشکر قلیل حکمتِ عملی آں جناب کی یہ تھی کہ کم سے کم نقصان اور مختصر سے مختصر وقت میں دلی پہنچا جائے۔ تا مغلانِ خانہ جنگان کو غافل گیر کر کے نذر شمشیر کر دیا جائے، باقی لشکریانِ غنیم کو اسیر کر لیا جائے اور یوں دلی کو تسخیر کر لیا جائے۔ چنانچہ راہ میں پڑنے والے قلعوں اور ریاستوں سے الجھنے سے بچنے کی سعی ہر ممکن کی گئی ماسوائے ان نامرادوں کے جو خود آ کر الجھے اور جانیں اپنی گنوائیں۔ بعد شکار پور کے اگلا ہدف منڈی یزمان تھا۔ لوٹنا جس کا بے حد آسان تھا کیونکہ مقامی چھیما جاٹ قبائل سربراہی چوہدری طارق ابن بشیر کے

مقامی جاٹ لونگا قبائل سربراہی ملک تاج محمد کے برسرپیکار تھے۔ یہاں سے لشکر براہ بہاولنگر بٹھنڈہ پہنچا۔ شہر بٹھنڈہ پر حملہ اور تاخت و تاراج اس کی از حد ضروری تھی کیونکہ علاوہ حصولِ غنائم کے، بے شمار سپاہیان طالع آزما اطراف و حوالی میں موجود تھے اور لشکر میں مزید اضافے کے لیے بھرتی کرنا اون کو بے حد ضروری تھا۔ سو ایسا کیا گیا اور تازہ بھرتی کے بعد تعداد لشکر کی بیس ہزار نفر تک پہنچ گئی۔ یہاں بھی لشکریوں پر روپے اور ٹکے برسائے گئے اور چند اشرفیاں بھی چھینا جھپٹی میں تیس کے قریب لشکریان نے اپنی جانیں جان آفریں کے سپرد کیں۔

زیارتِ پیر صاحب سرہندی:

بٹھنڈہ سے لشکر سرہند پہنچا جہاں گرگ خان سوری، اعلیٰ حضرت پیر صاحب سرہندی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، قدم بوسی کی، چڑھاوہ شایانِ شان چڑھایا، محفل سماع برپا ہوئی، مشہور قوالوں استاد کالو خان اور استاد غلام فرید صابری وغیرہ نے قوالی گائی۔ گرگ خان وجد میں آئے اور حال کھیلے۔ پیر صاحب نہایت متاثر ہوئے اور نظر عنایت فرمائی۔ مریدان کو حکم لشکر میں بھرتی ہونے کا صادر فرمایا۔ ہزار ہا مریدان نے لبیک ثم لبیک اونکی صدا پر کیا اور جوق در جوق آئے۔ یوں تعداد لشکر کی چھتیس ہزار تک جا پہنچی۔

بیت

چلے تھے وطن سے نفر چھ ہزار
لو اب ہوگئے چھ گنا چھ ہزار

شہادتِ گرگ خان در حوالیِ دلی:

لشکر نے دلی شہر کا محاصرہ کرلیا۔ اگرچہ مخبرین خبر لائے تھے کہ شہزادگان مغل، مارے خوف کے شہر سے راہِ فرار اختیار کر چکے ہیں اور سوائے ایک جرنیل ملو خان روہیلہ کے کہ سرپھرا اور احمق مانا جاتا ہے کوئی شہر میں نہیں، لیکن بجائے داخلے کے محاصرہ مناسب سمجھا گیا۔ چندیں وجوہات اس کی یہ ہیں اول، روایت صدیوں سے یہی چلی آتی ہے کہ دلی میں

داخلے سے پیشتر محاصرہ اس کا کیا جاتا ہے۔ دوم، محاصرے کے نتیجے میں شہر میں اجناس، روغن، سبزی، دودھ کی قلت ہونے سے حوصلے شہریوں کے پست ہو جاتے ہیں اور فتور بغاوت کا، مغز اون کے سے نکل جاتا ہے۔ سوم، محاصرے سے آرام لشکریوں کو ملتا ہے۔

چہارم، اندرونِ شہر کے غداران کو وفاداریاں بدلنے کے لیے مناسب غور و خوض کا وقت میسر آجاتا ہے۔ وہ آتے ہیں جان کی امان مانگنے اور اظہار وفاداری کا کرنے اور یوں مستقبل کے درباری اور منصب دار سامنے آتے ہیں۔ سو محاصرہ ہوا، آرام لشکریان کو ملا۔ لشکریوں کی تفریح کے انتظام مناسب عمل میں لائے گئے۔ چنانچہ جگہ جگہ مرغوں اور بٹیروں کی لڑائیاں، ریچھوں اور کتوں کی کشتیاں، نیز خواجہ سراؤں کے رقص برائے تفریح طبع لشکر عظیم کے وقوع پذیر ہوئے۔

ساتواں روز محاصرے کا تھا کہ ایک سانحہ دلخراش پیش آیا...... والد حضرت عالی نے ایک صحت مند گوسفند پال رکھا تھا کہ وجود میں کسی گدھے جتنا تھا اور سینگ اوسکے کسی سانڈ سے کم نہ تھے اور یہ درۂ بولان میں ایک بلوچی کے ریوڑ سے غنیمت بطور تصرف میں لیا گیا تھا۔ آپ گوسفند مذکور کو خوئیدا اپنے دستِ مبارک سے کھلا رہے تھے کہ اس بدبخت ملعون نے از راہِ شرارت اچھل کر آپ جناب کو ٹکر رسید کر دی جو انتہائی شدید تھی کہ دماغ عالی آپ جناب کا گوشہائے شنوا کے راستے باہر نکل آیا اور آپ وہیں گر کر ساکت ہوگئے اور یوں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

بیت

دنبے کے ہاتھ سے اسے دی موت اے فلک
جو گھوڑوں ہاتھیوں اور نہ شیروں سے مر سکا

گوسفند ملعون و بدبخت کا تعاقب کسی نے نہ کیا اور وہ جیتا نکل گیا۔ لشکری اسے جن یا بھوت گمان کر بیٹھے تھے اور ہوسکتا ہے کہ ایسا ہی دراصل ہو۔

تاج پوشی حضرتِ عالی و تاراجیٔ دلی:

جیسا کہ روایت صدہا سال سے چلی آتی ہے کہ بعد موت سپہ سالار کے لشکر راہِ

فرار اختیار کرتا ہے۔ سولشکریان افاغنہ تتر بتر ہو کر بھاگنے لگے۔ دریں اثنا سن کر خبر اس حادثہ ناگہاں کی ملوخان روہیلہ کہ نائب مغلان کا شہر دلی میں تھا۔ از راہِ تعزیت و سوگواری حضرت عالی چیتا شاہ کے پاس حاضر ہوا جو خود بھی میت والد نامدار کی اونٹ پر لاد فکر واپسی کی کر رہے تھے۔ جب ملوخان نے کہ مرد جری تھا۔ تتر بتر اور فرار افاغنہ کا ملاحظہ کیا تو دل گرفتہ ہوا اور عرض حضرت عالی سے کیا کہ روایت فرار پر عمل دریں صورت ہوتا ہے کہ جب لشکران آمنے سامنے ہوں' میدانِ کارزار گرم ہو اور پشتے کشتوں کے لگ رہے ہوں' آپ کو سولشکر کا سامنا نہیں' غنیم قلعہ بند نہیں تو پھر یہ فرار بے وقار کیوں؟ حضرت عالی نے چند لمحے غور اس سخن پر فرمایا اور پھر سر ہلا کر تبسم بھی فرمایا اور ملوخان روہیلہ کی پیشانی بلند اقبال کو بوسے سے سرفراز فرمایا اور حکم تمام سرداران کو ترکِ فرار کا صادر فرمایا۔ امرِ حضرت عالی تمام لشکر تک پہنچتے پہنچتے نفر قریب پندرہ ہزار لشکر گاہ ترک کر کے جا چکے تھے۔ حضرت عالی بمع باقیماندہ اکیس ہزار نفر ملوخان روہیلہ کے ہات میں ہات دیئے' میت پدر سات لئے شہر دلی میں داخل ہوئے۔

گزارش ملوخان نے کی کہ اول کفن دفن میت بزرگوار سے فراغت حاصل کر لی جائے اور پس ازاں توجہ امور دلی کی طرف مبذول ہو۔ چنانچہ گرگ خان جنت مکانی کو سرزمین بے مہر مہرولی میں دفن کر دیا گیا۔

بیت

چلا تھا جو سالار قندھار سے
وہ گاڑا گیا دیکھو مہر ولی میں

بعد از تدفین دریافت فرمایا حضرت عالی نے ملوخان روہیلہ سے کہ اے خیر اندیش اے مردِ دانشمند اب کیا کیا جاوے۔ ملوخان نے عرض کیا کہ سب سے پہلے تو بندہ کو مشیر اعلیٰ کے عہدے پر سرفراز فرمایا جاوے تب بندہ سرکار کو اپنے صائب مشوروں سے نوازے۔ یوں ملوخان منصب مشیر اعلیٰ پر فائز ہوئے مرتبہ پندرہ ہزاری کا ملا بشرطِ واپسیٔ مفرورین اور اون کو خطابات خیر اندیش خان و دانش مند خان کے بارگاہِ عالی سے عطا ہوئے۔ اب خیر اندیش خان نے دست بستہ عرض گزاری کہ آقا دلی نعمت اعلان شہنشاہ ہند ہونے کا کریں اور رسم تاجپوشی کی اور ساتھ ہی دستار فضیلت وراثت گرگ خان شہید کی

زیب سر کریں۔ رسم مبارک جامع مسجد دلی میں ادا ہوئی۔ حضرت مولانا عبداللہ بخاری امام جمعہ والجماعتہ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے رسم دستار بندی کی ادا کی۔ حضرت عالی نے' حضرت عالی شہنشاہ مظفر و منصور' والی اقلیم ہند و افغان سرکار حضرت چیتا شاہ سوری سلطان عادل کے القاب اختیار فرمائے اور حکم مولانا بخاری کی ریش مبارک کو موتیوں سے بھرنے کا صادر فرمایا۔ زاں بعد دانشمند خان نے مشورہ قتل عام شہریان دلی کا دیا' اول اول آپ نے ناپسند فرمایا' بعد ازاں جب دانشمند خان نے عرض کیا کہ یہ رسم دلی میں صدیوں سے چلی آتی ہے اور سبھو فاتحین قتل عام مردم دِلی کا کرتے ہیں اور اگر حضرت عالی نے ایسا نہ فرمایا تو مردمِ دلی اسے توہین اپنی خیال کریں گے اور کبھو دل سے ساتھ شاہ مظفر و منصور کا نہ دیں گے۔ تب بادلِ نخواستہ اور خیال دلداری مردمِ دلی کا کرتے ہوئے آنجناب نے حکم ایک پہر کے علامتی قتل عام کا صادر فرمایا۔ لشکر افاغنہ بمعہ سپاہیان ملوخان کے قہر بن کر دلی پر ٹوٹ پڑے۔ پہر بھر میں ہزار ہا مرد و زن پیر و جوان کو غمہائے دنیا سے آزادی دلا کر مسلمانان کو سوئے فردوس اور ہنود کو طرف سورگ کے روانہ کیا اور دعائیں بقیتہ السیف مردمِ دلی کی سمیٹیں۔ آپ جناب شمشیر برہنہ دست مبارک میں لیے زینوں پر جامع مسجد کی پورا پہر براجمان رہے اور بعد پورے ایک پہر کے شمشیر مبارک کو نیام مقدس میں ڈالا اور تب سلسلہ قتل و غارت کا تھما۔ علامتی لوٹ مار برائے حصول غنائم کہ حق اول فاتح لشکر کا ہوتا ہے ایک پہر مابعد تک جاری رہی۔

بیت

چھوٹے غموں سے نفر دہ ہزار
غنائم بھی لوٹے گئے بے شمار

اس دوران ملوخان خود مصروف راہ بہ فرار افغانوں کی واپسی میں رہے اور اس روز ہی پندرہ ہزار لشکریان پورے کر پندرہ ہزاری منصب پر فائز ہو گئے۔

بندوبست لال قلعے کا اور محافلِ رقص و سرود:

شاہِ مظفر و منصور ساعت نیک بہ مشورہ منجم اعظم حضرت زنجانی مقرر فرما کر وارد

لال قلعہ میں ہوئے۔ صدہا خواصوں' کنیزوں اور خواجہ سراؤں نے گل پاشی حضرت عالی پر کی۔ حضرت نے دربارِ خاص منعقد فرمایا' نذریں معززین دلی سے قبول فرمائیں اور چند خسیس اور بخیل امرا کی نذروں پر اظہارِ ناپسندیدگی فرمایا اور حکم ان کی گرفتاری کا صادر فرمایا۔ تاوقتیکہ نذر شایانِ شان پیش حضور کے نہ کریں۔

بموجب مشورہ خیراندیش و دانشمند خان ضرب سکہ چیتا شاہی کا حکم صادر فرمایا اور نذر عمدہ پیش کرنے والے امراء کو وعدہ ایک ایک اشرفی سکۂ نوضرب عطا فرمانے کا کیا۔ بعد برخاستگی دربار قصد زنان خانے کا فرمایا' نذریں زنانِ امرا و معززین دلی سے وصول فرمائیں۔ نیز چند زنان بھی قبول فرمائیں۔ چند شہزادیاں مغلان کی کہ جو ہنوز محل سرا میں موجود تھیں مجرئ خدمت اقدس میں ہوئیں امر انہیں مجرہ کرنے کا دیا۔ خیراندیش خان نے گھنگھرو بدست خود شہزادیوں کے پاپائے نازک میں باندھے' حضرت عالی نے بے حد پسند فرمایا اور اضافہ خطابات میں گھنگھرو نواز خان کا فرمایا۔ دانشمند خان خیراندیش خان گھنگھرو نواز کورنش بجالایا۔

بیت

رقصاں ہوئیں شہزادیاں یوں محل سرا میں
جوں ناچتی تھیں پریاں کبھی اندر سبھا میں

بعد از رقص شاہی طبیب حکیم ہمدرد خان اجملی کو طلب فرما کر معجون فلک سیر نوش فرمائی اور واردِ خوابگاہ ہوئے۔

ورودِ مسعود آگرہ میں اور غسل فرمانا جمنا میں:

قبلہ عالم پہر دن چڑھے بیدار ہوئے۔ بعد از صبحانہ آگرہ کے لیے سوار ہوئے اہل آگرہ زیارت شاہی کے لیے بے قرار ہوئے۔ گل پاشی کے لیے راہ میں جمع کئی ہزار ہوئے۔ دربار عام جمنا کنارے منعقد فرمایا' درخواست قتل عام مردم آگرہ کی نابار یاب ہوئی...... بدلے اس کے نذریں معقول علاوہ امراء و روساء کے غربا سے بھی وصول فرمائیں۔ بعد ازاں خاصہ تناول فرمانے سے قبل ارادہ امرا و مصاحبین کے ہمراہ غسل کا دریائے جمنا میں ظاہر فرمایا اور سبھو اہل دربار پہ لازم فرمایا کہ وہ مظاہرہ اپنے فن شناوری کا

پیش حضور کے کریں۔ بیسیوں امرا کہ ناآشنا فن شناوری سے تھے جمنا میں ڈوب مرے گھنگھرو نواز خان بال بال بچے۔

بیت

چلو بھر آب میں بھی جو تیرتے تھے
آہ جمنا میں آج ڈوب گئے

بعد از غسل' غرق شدہ امراء کی مرگ ناگہانی پر دکھ کا اظہار سلطانِ عادل نے فرمایا اور غم ان کا غلط کرنے کو پیش از طعام ایک مٹکا مئے ارغوانی کا نوش جاں کیا۔

محاصرۂ شہر لاہور اور بسایا جانا چیتا شاہی محلے کا:

خیراندیش خان خبر مصدقہ طوفانِ بدتمیزی از طرف مغلان کے لاہور و قصور و سیالکوٹ و بھائی پھیرو و کالا شاہ کاکو و حوالی و مضافات کی لے کر آئے۔ شہزادہ سامران و شہزادہ جمایوں دونوں برادران موجود قلعہ لاہور میں تھے اور دفاع لاہور کا مضبوط سمجھ سامان تعیش کا و اسباب عیش و عشرت کے مہیا کر رہے تھے۔ شہزادہ سامران راوی دریا کے بھیتر تعمیر ایک بارہ دری کی کر رہا تھا جبکہ شہزادہ جمایوں قلعہ لاہور کے ایک برج بلند کو رصدگاہ میں بدل کر حلیہ اوس کا بگاڑ رہا تھا۔ سلطان عادل ان خبروں پر کبیدہ خاطر بے انتہا ہوئے اور حکم خیراندیش خان دانشمند خان گھنگھرو نواز کو بمعہ لشکر جرار کے سرکوبیٔ مغلان کے لیے لاہور روانگی کا دیا اور بوجہ تھکاوٹ سفر طویل و غم تازہ شہادتِ والد بزرگوار خود محل سرا لال قلعہ میں ارادہ قیام طویل کا ظاہر فرمایا۔ بعد قدم بوسی دست بستہ عرض مشیر اعلیٰ نے کیا'' کہ امرِ شاہی سر آنکھوں پر...... لیکن حکومت لاہور کی جس پاس ہوتی ہے وہ حاکم پنجاب' سندھ' بلوچستان و سرحد کا تصور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قبضہ تخت لاہور پہ از حد لازمی ہے اور اس امر کے لیے قیادت لشکر خود آقائے ولی نعمت کی بے حد ضروری ہے اور یہ شدید مجبوری ہے کیونکہ لشکر غنیم میں بہ نفس نفیس شہزادہ سامران و مزید برآں خود حضرت شہزادہ جمایوں موجود ہیں۔ سو بادل نخواستہ آں جناب روانہ سوئے لاہور ہوئے اور حسب روایت بہ رفتار طوفانی واہگہ عبور کر لشکر گاہ حوالیٔ لاہور میں قائم کردی۔

وقت شب سلطان عادل نے دانشمند خان کو خیمۂ شاہی میں طلب فرمایا اور جام مے بدست خود عنایت فرمایا و بچشم نم فرمایا ''اے دانشمند عزیز' لاہور شہر صوفیاء کا ہے اور ایں جناب بھی بعد شہادت المناک والد بزرگوار صوفی ہوتے جا رہے ہیں' پس ترکیب کچھ ایسی کر کہ کم سے کم خونریزی بلکہ بغیر از خونریزی شہر لاہور تصرف ہمارے میں آ جاوے۔''

دانشمند خان نے بعد قدرے غور وخوض کے عرض کیا ''حضور ترکیب خانہ زاد کے پاس موجود ہے' وِلے آپ کو گرہ قدرے ڈھیلی کرنا ہوگی اور جو نذریں وصول دلی اور آگرہ سے کی گئیں' ایک ثلث ان کا خرچ کرنا ہوگا۔'' حضرت عالی یہ سن کر چشم ہائے مبارک میں آنسو بھر لائے اور فرمایا ''اہل دلی اور آگرہ کی طرف سے بہ صد خلوص پیش کردہ نذروں کو تا زیست سینے سے لگائے رکھنے کا عزم ہم نے کیا ہے اور یہ توہین ان کی محبت اور عقیدت کی ہوگی کہ ان کو خرچ کیا جاوے۔'' لیکن خیراندیش خان نے انہیں قائل کیا کہ سیم وزر لاہور میں بے شمار ہے اور جو خرچ ہوگا اس سے کہیں زیادہ غنیمت میں آوے گا اور صرف کردہ اشرفیاں بھی تو بعد از سقوط لاہور بطور نذر واپس خزانہ شاہی میں آئیں گی۔'' آپ جناب بعد چندے ہچکچاہٹ آمادہ ہو گئے۔

خیراندیش خان نے توڑے اشرفیوں کے وصول حضرت عالی سے کیے اور عرض کی ''غلام اب جاتا ہے' گھوڑوں اور لوٹوں کی خریداری کرتا ہے التماس دعا۔'' سلطانِ عادل نے اظہار حیرت کا فرمایا تو خیراندیش خان نے بتایا کہ اس ملک میں امرا کی خریداری کو تجارت اسپاں وصنعت لوٹگاں کہا جاتا ہے۔ آپ سن کر محظوظ ہوئے اور خطابات اسپ خواہ ولوٹا گیر کے خیراندیش خان کو عطا کیے۔ خیراندیش خان نے سیاہی شب ہی میں سلسلہ جنبانی امراء روساء لاہور سے کی...... صبح جب شہزادگانِ مغلیہ ناشتہ کے لیے تشریف فرما ہوئے تو دسترخوان پر محض دو برادران ہی تھے۔ وجہ خانساماں سے دریافت فرمائی تو وہ بچشم گریاں عرض پرداز ہوا کہ حضور امرا راتوں رات گھوڑے اور لوٹے ہو گئے۔ تب شہزادگان نے ثبوت عقلمندی کا دیا' ناشتے کو جانے دیا اور گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ شہزادہ ہمایوں نے قصد ایران کا اور شہزادہ سامران نے رخ کابل کا کیا...... خانساماں نے ابھی طبق ناشتے کے اٹھائے نہ تھے کہ سلطانِ عادل مع دانشمند خان لوٹا گیر واسپ خواہ فاتحانہ وارد شہر ہوئے اور ناشتہ اسی دسترخوان پر فرمایا۔

بیت

پٹھانوں نے کیا ناشتہ جو مغلوں کے لیے ہوا تھا تیار
فاعتبرو یا اولی الابصار' فاعتبرو یا اولی الابصار

بہ موجب پیش گفتہ دانشمند خان کے سلطان عادل نے جو کچھ گرہ سے صرف فرمایا چہار چند اس کا لاہوریوں سے وصول فرمایا۔ خیراندیش خان نے عرض کی ''سلطانِ عادل' اب کوئی بڑی رکاوٹ آپ کے اقتدار کی راہ میں نہیں' اب دل کھول کر غم غلط کیجیے اور عیش وآرام کیجیے۔''

چنانچہ آپ جناب نے اہل طرب وار باب رقص وسرود کا ایک پورا محلّہ بنام محلّہ چیتا شاہی لاہور میں بسایا اور بعد ازاں جب اقتدار آپ کا ختم ہوا تو مغلاں نے ازراہ بغض وبد دیانتی لفظ چیتا محلے کے نام سے اڑا دیا اور وے محلّہ شہرتِ دوام کا حامل صرف شاہی محلے کے نام سے ہوا۔

اصلاحاتِ سلطان عادل:

عیش ونشاط وطرب کے دو ماہ لاہور میں گزارنے کے بعد سلطانِ عادل واردِ دلی ہوئے اور اولیں منعقدہ دربار میں بہ مشاورت خیراندیش دانش مند گھنگھرو نواز اسپ خواہ لوٹا گیر ملوخان روہیلہ مشیر اعلیٰ کے اعلان اصلاحات کا فرمایا۔ ایک مجلس تشکیل فرمائی مشیر اعلیٰ کی قیادت میں' دیگر ارکان جس کے خطیب جامع حضرت مولانا عبداللہ شیرانی وقاضی القضاہ شیخ عبدالغنی غناوی شیرانی' کوتوال شہر جلاد خان سوری' نائب امیر لشکر ہیبت ناک خان سوری اور محاصل سلطنت زر پرست خان سوری مقرر کیے گئے اور حکم دیا گیا کہ وہ عرصہ تیس دن کے اندر تمام مروجہ قوانین کو بمطابق شریعت ورواج قبائل شیرانی سوری ڈھالیں۔ اس موقع پر چند نفر سپاہیان سوری نے درخواست گزاری کہ بعضے مردم دلی ان کو سوری کہتے وقت آخری یائے اضافت اڑا دیتے ہیں اور یوں مرتکب توہین کے ہوتے ہیں کیونکہ اس لفظ کے معنی زبان پنجابی میں ایک ناپاک جانور کے ہوتے ہیں۔ سلطان عادل یہ سن کر انتہائی برافروختہ ہوئے اور ایسے مرتکبین اہانت کو ہاتھی کے پاؤں تلے کچل دینے کا حکم صادر فرمایا۔ خیراندیش

خان نے دست بستہ جان کی امان مانگی اور عرض کیا کہ اگر اہل لاہور ایسا کہویں تو تعزیر وہاں لاگو کی جاوے کیونکہ مردم دلی کی زبان پنجابی نہیں ہندی ہے اور ہندی میں سور مرد جری کو کہا جاتا ہے۔ تس پر، سلطانِ عادل نے فرمایا کہ آئندہ سے دلی میں سور سے مراد مردِ جری جبکہ لاہور میں خنزیر لیا جاوے گا، لیکن کیونکہ امر زبانِ شاہی سے صادر ہو چکا لہٰذا جو لوگ اب تک ایسا کر چکے انہیں ہاتھی کے پاؤں تلے کچل دیا جاوے۔ تمام اہل دربار نے نعرے آفرین آفرین واحسنت احسنت کے بلند کیے اور سلطان عادل کے عدل وانصاف کو سراہا۔

بعد از بحث شبانہ روز وعرق ریزئ بسیار درج ذیل قوانین مرتب کیے گئے:۔

قانونِ شریعت:

ہرگاہ اوقاتِ نماز میں تمام مے خانے، بالا خانے، کنچنیوں اور پتریوں کے کوٹھے بند رکھے جاویں۔ نیز ماہ صیام میں اوقاتِ تراویح میں بھی۔ موذنوں پر بھی لازم ہوگا کہ شہر بھر میں اذان ایک ہی وقت پر دیویں تا کاروبار زندگی میں خلل زیادہ نہ آوے۔

ہرگاہ علاوہ امرا و مصاحبین و سرداران لشکر کوئی بھی فرد سرعام مے نوشی کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ واسطے تقاریب کے اجازت نامہ خصوصی قاضی القضاہ سے حاصل کرنا ہوگا۔ عامتہ الناس ماہِ صیام میں دورانِ خانہ بھی مے نہ پی سکیں گے۔ یہ قانون لشکریوں پر لاگو نہ ہوگا۔ محافل رقص خواہ وہ کنچنیوں کی ہوں یا سدا سہاگنوں کی صرف مخصوص بالا خانوں پر ہوں گی۔ ان سے باہر تقاریب کے لیے اجازت نامے قاضی القضاۃ جاری فرمادیں گے۔ امراء، مصاحبین اور سردارانِ لشکر مستثنیٰ اس حکم سے ہوں گے۔

قول حکماء کا ہے کہ کم ذات کو نشۂ مے راس نہیں آتا لہٰذا مردم کم ذات وطبقۂ ہنود مے نوشی کے مجاز نہیں ہوں گے۔ ہاں ملحوظ حدود وقیود کو رکھ کر بھنگ، گانجا، چانڈو حسب مزاج اور ضرورت استعمال کر سکتے ہیں۔

بیت

مسلماں معزز ہی مے پی سکیں
ہنود و کمیں جا کے چانڈو پییں

ہرگاہ تمام صاحبانِ نصاب، زکوٰۃ اپنی بیت المال سرکار میں جمع کراویں گے، کوئی شخص ذاتی طور پر کسی کو زکوٰۃ دینے کا مجاز نہ ہووے گا۔

ہرگاہ ملک خدا کا اور حکومت سلطانِ عادل چیتا شاہ کی ہے، لہٰذا طبقہ امراء کو انتقال وراثت اولاد کو کرنے کا اختیار نہ ہووے گا اور جملہ املاک منقولہ وغیر منقولہ ملکیت سلطانِ عادل کی ہوگی الا وہ اولاد متوفی کو لائق پا کر انہیں جائیداد عطا فرمادیں۔

سلطانِ عادل کے مشاہدے میں آیا ہے کہ امراء سلطان کی نقل کر کے بڑے بڑے حرم رکھتے ہیں، یہ فعل باعث اضمحلال، سستی اور خلل کار سلطنت کا موجب بنتا ہے۔ ہرگاہ امراء کے لیے حرم کی کنیزوں لونڈیوں منکوحات وممتوعات کی تعداد بلحاظ منصب مقرر کی جاوے گی اور کوئی امیر سو سے زیادہ خواتین حرم میں نہ رکھ سکے گا۔ شہزادگان کے لیے دوصد پچاس تک کی حد مقرر کی جاتی ہے جبکہ سلطانِ عادل نے خود اپنی ذات بلند صفات کے لیے تعداد حرم محدود کر کے پانچ صد مقرر فرمادی ہے۔

قانون معیشت:

ہرگاہ ملک خدا کا اور حکومت سلطان عادل چیتا شاہ مدظلہ العالی کی، لہٰذا تمام زمین، دریا، پہاڑ، جنگلات، حیوانات ملکیت سلطان عادل کی ہیں اور جس جس کے قبضے میں ہیں وہ بحیثیت امانتدار کے ہیں۔ جملہ کشاورزان، ہنرمندان، کان کنان، شکاریان، پہلوانان، چڑی ماران، ماہی گیران، کشتی رانان، دکانداران، مطرب، رقاص، بزاز، صراف، نداف، نجار، خیاط، عطار، طبیب، سلوتری...... ملازمین شاہِ عادل کے متصور ہوں گے۔ ظل سبحانی، سلطانِ عادل ان کو حق زحمت بخشیں گے۔ باقی جملہ پیداوار و آمدنی ملکیت سلطانِ عادل کی ہوگی۔ پر گنے جو منصب داروں کو عطا ہوں گے وے بعد از مرگ منصب دار بحق سلطان ضبط ہو جاویں گے۔

اصلاحاتِ جدید و عجیب:

دلی کے سلاطین سلف میں سے ایک سلطان نے طریقہ گھوڑوں کو داغ کرنے کا ایجاد کیا تھا، کہ سپاہی بوقت ملاحظہ گھوڑا کسی اور کا پیش کر دیتے تھے، داغ کے ساتھ خاتمہ

اس بددیانتی کا ہوا۔ سلطانِ عادل نے داغ کرنا انسانوں کا ایجاد کیا تا ہزاری منصب دار وقت معائنہ سپاہی دوسرے منصب داروں کے پیش نہ کرسکیں۔ سپاہیوں کے گروہوں اور تعداد کے لحاظ سے ہندسے اور عدد مقرر کیے گئے کہ ہر سپاہی کا خاص عدد بیچ اس کی پیشانی کے داغ دیا جاوے گا۔ غلاموں' کنیزوں' خواجہ سراؤں کے لیے بھی نشان داغ مقرر کیے گئے۔

جملہ کوتوالان علاقے اپنے کے چور' ٹھگ' کٹنیوں' کسبیوں' حرافاؤں کو داغ کریں گے۔

خانساماں تمام ظروفِ مطبخ' جنس' اناج و روغن پر مہریں کریں گے۔ سلطان عادل کی ذاتی اشیاءِ خوردنی' نوشیدنی' پوشیدنی و ظروفِ خاص پر مہر دستِ مبارک سے ثبت کی جاوے گی' تا امکان زہر خورانی از طرف منافقین و غداران کہ دلی میں فراواں ہیں' نہ رہے۔

نذریں گزارنا:

جملہ امراء منصب داران و ہوا خواہان سلطنت یوم تخت نشینی سلطان عادل' عیدین اور نوروز پر نذریں معقول اور شایانِ شان حضور عالی میں گزاریں گے' ہنود ہولی' دیوالی' دسہرہ اور بسنت پنچمی پر نذریں گزارا کریں گے۔ اگر مسلم و ہنود اپنے خاص مواقع کے علاوہ بھی نذریں گزارنا چاہیں تو اس کی اجازت ہوگی۔ تمام نذروں کا حساب کتاب دفتر میں رکھا جاوے گا۔

امن و امان:

جملہ پرگنہ جات کے حاکم اور دیہات کے مقدمین حدود اپنی میں امن و امان کے ذمے دار ہوں گے۔ چوری' رہزنی' ٹھگی کی صورت میں تین روز کے اندر مال مسروقہ برآمد اور بدکاران کی گرفتاری فرض ان کا ہوگا۔ بصورتِ دیگر تلافی مال مسروقہ کی اپنی جیب اور برابر اس کے جرمانہ خزانہ میں داخل کراویں گے۔

قتل کی صورت میں اگر قاتل اندر سات روز کے گرفتار اور سیاست کو نہ پہنچے تو مقدمین اور حاکم پرگنہ قتل کیے جاویں گے۔ الا دیت ورثاء کو اور سہ چند جرمانہ خزانہ عامرہ میں

جمع کرائیں۔

عرض مصنف:۔ بندۂ عالی تیندوا خان عرض پرداز ہے کہ عہد سلطان عادل بہ لحاظِ امن و امان ہند کا سنہرا ترین دور ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ تمام بدی بدکاری میں ہاتھ مقدمین اور حکام کا ہوتا ہے۔ لہٰذا بعد اس اعلان بہ طرف سلطان عادل کے چوری' رہزنی' ٹھگی بدی بدکاری قتل و غارت کا خاتمہ بالخیر ہوگیا۔

بیت

نہ چور اور نہ رہزن ہی باقی رہے
فقط نام سُلطاں کا باقی رہے

افاغنہ نوازی:

جیسا کہ دستور عالی نسب حکمرانوں کا ہوتا ہے کہ اپنے خویش قبیلے کو نوازتے ہیں سلطان عادل اس اَمر میں دوسروں سے کوسوں آگے تھے۔ جملہ ہزاری منصب و امور خزانہ و دربار اقوام افاغنہ کو عطا فرمائے۔ دیت افغان کی غیر افغان سے دوچند رکھی۔ حکام کو ہدایت فرمائی کہ جو غیر افغان ہاتھ افغان پر اٹھاوے' دست اس کا قلم کر دیا جاوے۔ جو کوئی حضرت عالی سے درخواست زبان افغانی میں کرتا مراد پاتا لیکن اگر زبان افغانی میں کسی نے عرضی لکھی تو مسترد فرمائی۔ تحریر میں ہمیشہ زبانِ فارسی کو پسند فرمایا کہ موجب دستور اس دور کے تھا اور مظہر علیت آنجناب کا تھا۔ اگرچہ سلطان عادل خرچ میں میانہ روی کو پسند فرماتے تھے اور میانہ روی ان کا شعار تھا لیکن مال غنیمت سے ہمیشہ باران داد و دہش کی افغانوں پہ کرتے تھے۔

بیت

خویش قبیلے کا حق پہلے بھیا یاد رکھو
جب بھی ریوڑیاں بانٹو تم' پہلے اپنوں کو دو

تعمیر قلعۂ ہرتاس:

عہد سلطان عادل کا ایک زریں کارنامہ تعمیر قلعہ ہرتاس ہے کہ ملک اقوام

کھکھڑ میں کہ مشہور مفسد اشرار تھے اوپر ایک کوہِ بلند کے نصف راہ میان دلی و کابل واقع ہے۔ بصرف ہزار ہا اشرفی جات و ہزار ہا ہزار روپیہ ولکھو کھہا ٹکہ و بہ مشقت ہزار ہا مردم کہ بیشتر بیگاری اقوام کھکھڑ کے تھے قلعہ عظیم بلند و پائیدار تیار کیا گیا۔ قلعہ میں بیس ہزار افاغنہ از اقوام شیرانی' سوری و نازی کہ سالار جن کا ہیبت ناک خان نازی ملقب بہ اعظم ہمایوں ہمہ وقت برائے سرکوبی مفسدین افغانی و ہندی آمادہ رہتے تھے' گویا یہ قلعہ دومونہوں والا سانپ تھا کہ دونوں طرف ڈستا تھا۔ طرف دلی کے بھی اور طرف کابل کے بھی۔ یا دونوکوں والا خنجر تھا جو دونوں اطراف کے مفسدین کے شکم چاک کرتا تھا۔

بیت

آسماں سے سر بھڑاتا قلعہ ہرتاس تھا
زد میں جو بھی آئے اس مفسد کا ستیاناس تھا

فتح بنگالہ:

خیر اندیش' دانشمند' گھنگھر ونواز' اسپ خواہ' لوٹا گیر' ملوخان روہیلہ مشیر اعلیٰ نے متعدد بار حضرتِ عالی کو شوق فتح بنگالہ کا دلایا لیکن آپ نے ناپسند فرمایا۔ مزاحاً فرمایا کہ حرم شاہی میں پانچ صد کنیزیں پہلے ہی موجود ہیں جبکہ کالی بنگالی کنیزوں کے لیے پہلے سے موجود حسین وجمیل کنیزوں کو نکالنا امر نامناسب ہے۔ لیکن کرنی خدا کی کیا ہوئی کہ ایک تاجر بنگالے کا دلی آیا' شرف باز یابی کا پایا' ساتھ اپنے جو تحائف لایا' ان میں ایک تھان ڈھاکے کی عمدہ نفیس ململ کا تھا جس کا وجود نسوار کی ڈبیا میں سما جاتا تھا' خوشبودار چاول' اناس کا مربہ' ناریل کا اچار اور مچھلی کے انڈوں کا حلوہ لایا' تمام اشیاء حضرت عالی نے پسند فرمائیں۔ ہمراہ اس تاجر کے دو کنیزیں بنگالے کی تھیں کہ رقص و سرود میں طاق اور عشق بازی میں مشاق تھیں۔ ان کے کجرارے نین' تیکھے بانکے چتون' طاؤس وغزال جیسی چال' مارِ سیاہ کی سی کشش اور سانولی سلونی رنگتیں سلطان عادل کے دل پہ قیامت ڈھا گئیں۔ اسی روز قصد بنگالے کا فرمایا' ایک ماہ کے اندر ہی فتح بنگالہ فرمایا اور پچاس عدد کنیزیں بنگالے کی داخل حرم فرمائیں۔ پہلے

سے موجود کنیزوں میں سے پچاس عدد فارغ فرمائیں اور امراء افاغنہ کو بخشیں۔

بیت

کنول کی پتی سے ہیرا کٹا
بنگالے کا جادو تھا آخر چلا

شہادت سلطان عادل:

بھرت سنگھ کہ راجہ کالونجر کا تھا بدخواہ سلطان کا تھا' ساز باز مغلان جلاوطن سے رکھتا تھا' پناہ منافقین وغداران کو دیتا تھا' قصد اس کی سرکوبی کا فرمایا۔ کالونجر میں اس وقت کئی ایک باغی موجود تھے۔ سیسرام' بہار کا للو پرشاد گھاسی' کرناٹکا کا ویراپن مچھندر اور تامل ناڈو کی رانی جے للیتا پوار وغیرہ۔ لشکر شاہی کی قیادت بہ نفس نفیس کرتے ہوئے ترنت جا کر محاصرہ قلعہ کالونجر کا فرمایا۔

راجہ بھرت سنگھ ایک عدد لونڈی ناچنے گانے والی رکھتا تھا کہ از حد حسین اور ہنر اپنے میں طاق تھی اور شہرت اس کی چہار اطراف عالم میں تھی اور سلطانِ عادل مدت سے خواہش منداس کے حصول کے تھے۔ سلطان عادل نے سوچا کہ اگر دھاوا کر کے قلعے میں جا گھسوں تو عین ممکن ہے بدبخت بھرت سنگھ لونڈی کو ہاتھوں اپنے ہلاک کردے۔ لہٰذا قلعہ کسی تدبیر سے لوں' سو محاصرہ طویل ہوا۔ عادت ظلِ سبحانی کی یہ تھی کہ طعام ہمیشہ ہمراہ علماء و مشائخ کے تناول فرماتے تھے۔ ایک شب دوران طعام مولانا قاضی خلیل غزنوی نے فلسفہ شہادت بیان کیا۔ سلطان عادل کے قلب رقیق پر بے حد اثر ہوا۔ سن کر گریہ فرمایا' طعام چھوڑا تلوار سونت نکل کھڑے ہوئے۔ اول آتش بازی والوں کے پاس گئے اور فرمایا آتش بازی کے حقے جو واسطے لڑائی کے تیار کیے گئے لاؤ۔ جب وہ لائے تو وہیں کھڑے ہو کر حکم کیا کہ حقوں کو آگ دے فصیل قلعہ پر پھینکو جب لوگ حقوں کے مارنے میں مشغول ہوئے' رضاء اللہ سے ایک حقہ قلعے پر لگ کر پھٹا اور وہاں سے پھٹ کر جہاں پر بہت سے حقے دھرے تھے آ گرا' سلطان عادل ان کی زد میں آ کر جل مرے اور یوں جہانِ فانی سے سرائے جاودانی اور نشیمن خاک سے عالم افلاک کو پہونچے۔

بیت

وہ سلطانِ عادل عہد میں جس کے شیر اور بکری یک جا خورد
جب موت آئی اس کی تو آہ تاریخ نکلی زآتش مرد

امروز بروز پنج شنبہ بوقت نیمہ شب ماہِ جمادی الاول بتاریخ پاژدہ سال ہزار ودو صد وہفتاد و بمقام سیسرام ہند بعونہ تعالیٰ پایاں رسید۔ بندہ عاصی تیندوا خان شیرانی غفرلہ۔

ایک منگول فوجی کا اپنی منگیتر کے نام خط

از بغداد

میری سفید اسپ تازی جیسی حسین اور چراگاہ میں کھلے پھول جیسی خوشبودار اور خوبصورت محبوبہ!

سلام محبت، امید ہے تم بخیر و عافیت ہوگی اور گھوڑی کے دودھ سے پنیر بنانے میں مصروف ہوگی۔ جان ڈھیر سارا پنیر بنا کر رکھنا، بہت عرصہ ہوا لذیذ پنیر کھائے ہوئے۔ زبان کو ذائقہ بھی بھولتا جا رہا ہے۔ یہاں صرف اونٹنی کے دودھ کا پنیر ملتا ہے جو انتہائی بدذائقہ ہوتا ہے۔

رات ہم نے آتشِ بغداد کی تکمیل کی خوشی میں بہت بڑی ضیافت کی، کئی سالم گھوڑے بھونے گئے۔ گھوڑے کی ایک سالم ٹانگ میرے ہاتھ لگی خوب کھائی۔ آتش بغداد کے بارے میں تو میں نے تمہیں بتایا نہیں۔ جان! ہم جب بھی کوئی شہر فتح کرتے ہیں تو پہلے اسے آبادی سے خالی کرا لیتے ہیں (تلواروں کے ذریعے) اور مال و متاع سے بھی، تب اسے آگ لگا دیتے ہیں۔ کیا شاندار منظر ہوتا ہے۔ سنہری شعلے آسمان کا رخ کرتے ہیں، فضا میں دھوئیں کے بادل اٹھتے ہیں، روشنیوں، شعلوں اور دُود کے بادلوں کا ایک عمدہ کھیل ہوتا ہے، کاش میں تمہیں وہ منظر دکھا سکتا۔

جان! ہم نے بغداد میں کھوپڑیوں کے جو مینار بنائے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے۔ اتنے اونچے مینار ہم نے پہلے کبھی نہیں بنائے۔ عجیب منظر ہوتا ہے۔ انواع واقسام

کے سر ہوتے ہیں' جوان' بوڑھے' لمبے بالوں والے' گنجے' سیاہ بالوں والے' سفید بالوں والے' سیاہ وسفید بالوں والے' سرخ بالوں والے' مختلف قسم کی ناکیں اور چہرے۔ خط کے ساتھ کچھ کھوپڑیاں بھجوا رہا ہوں اپنے بیرت کے چاروں طرف لٹکا دینا۔ تین ہار بھی ارسال کر رہا ہوں جن میں بغدادی لوگوں کے کان اور ناک کاٹ کر انہیں پرویا گیا ہے۔ ایک میں صرف کان ہیں' دوسرے میں ناکیں ہیں۔ تیسرے میں ایک کان اور ایک ناک ترتیب کے ساتھ پروئے گئے ہیں۔ یہ میری اختراع ہے اس سے پہلے ناکوں اور کانوں کے الگ الگ ہار بنتے تھے' میں نے یہ نیا نمونہ بنایا جو لوگوں کو بے حد پسند آیا' دوسرے لوگوں نے بھی اس قسم کے ہار بنائے۔ مردوں کے ناک کان کم پڑ گئے تو قیدیوں کے کاٹنا پڑے۔

یہاں کے لوگ بھی عجیب قسم کے ہیں۔ یہ لوگ بعض جگہوں پر انتہائی خوبصورت اور بڑے بڑے گھر بناتے ہیں لیکن ان میں رہتے نہیں۔ ان میں کتابیں جمع کرتے ہیں' ہزاروں کتابیں' چھوٹی بڑی' چرمی اور پارچاتی جلدوں والی' طلائی اور نقرئی گرد پوشوں والی۔ کتابیں کیا ہوتی ہیں تم ابھی شاید نہیں سمجھ سکو گی۔ ہم نے جب ان فضول چیزوں کو آگ لگانا شروع کی (جو چیز لوٹنے کے قابل نہ ہو فضول ہی ہوتی ہے) تو بچے کھچے بوڑھے پھونس' سفید داڑھیوں والے بابے ہمارے پاؤں پڑتے تھے کہ انہیں آگ مت لگاؤ۔ ہمیں انہیں بھی مجبوراً آگ میں ڈالنا پڑا۔ ویسے ہمیں زیادہ تگ و دو نہیں کرنا پڑی وہ ان فضول چیزوں کے لیے خود ہی آگ میں کودے۔ کتابیں دیگر اشیاء کی نسبت اچھی جلتی ہیں۔ بعض لوگوں نے کتابیں دریا میں پھینکیں' یہ اتنی زیادہ تھیں کہ دریا کا بہاؤ رکنے لگا۔ ان کا رنگ اترا تو دریا کا پانی رنگین ہو گیا۔

ویسے غور کیا جائے تو یہ کتابیں کچھ اتنی فضول بھی نہیں ہوتیں۔ ہم جو باتیں سنتے ہیں یا جو کچھ دیکھتے ہیں دماغ میں محفوظ رکھتے ہیں لیکن اکثر یہ باتیں ہمیں بھول جاتی ہیں۔ یہاں کے لوگ ان باتوں کو کتابوں میں لکھ لیتے ہیں' اس طرح یہ باتیں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتی ہیں۔

تم اس بات کو یوں سمجھو' یہ جو باتیں میں تمہیں خط میں لکھوا رہا ہوں اگر قاصد کو زبانی بتاتا تو وہ آدھی تو بھول جاتا اور باقی اپنی طرف سے شامل کر دیتا۔ اس خط لکھنے والے

بغدادی کو قاصد کے ساتھ تمہارے پاس بھیج رہا ہوں یہ تمہیں خط پڑھ کر سنائے گا۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ بغداد میں پیدا ہونے اور پرورش پانے والا یہ شخص ہماری زبان بخوبی جانتا ہے اور چھ دیگر زبانیں بھی جانتا ہے۔ ایسے لوگوں کو یہاں عالم کہا جاتا ہے۔ ویسے یہ بیکار لوگ ہوتے ہیں' پڑھنے لکھنے کے سوا کسی کام کے نہیں ہوتے۔ نہ تیراندازی کر سکتے ہیں' نہ تلوارزنی' نہ لوٹ سکتے ہیں نہ مار سکتے ہیں' نہ آگ لگا سکتے ہیں' کچھ سونے چاندی کے زیور' زربفت' اطلس اور کمخواب کے کپڑے بھی بھیج رہا ہوں۔ دو قیدی گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لیے ساتھ ہی روانہ ہیں۔ یہاں شاہی اصطبل میں ملازم تھے۔ دو لونڈیاں بھی ان کے ساتھ ہیں' یہ یہاں کے خلیفہ کے محل میں کنیزیں تھیں۔ یہ تمہارے لئے لباس بھی سئیں گی۔ ان سے گھریلو کام کاج کرانا پنیر وغیرہ بنوانا۔ اس عالم کو بھی رکھ لینا خطوں کے جواب وغیرہ لکھوانے کے لیے۔ پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ یہ کسی اور کام کے لائق نہیں۔ بہرحال چھوٹے موٹے کام کاج کروا کر دو وقت کی روٹی حلال کراتی رہنا۔ ابھی اس علاقے میں کافی شہر تاراج کرنا باقی ہیں۔

تحفے اور کھوپڑیاں بھیجتا رہوں گا۔ امید ہے جدائی کا یہ عرصہ سال بھر سے زیادہ کا نہ ہوگا' جلد ملیں گے۔

تمہارا

اتموچن

ایک امریکی سولجر کا خط اپنی گرل فرینڈ کے نام

از بغداد

سویٹ ہارٹ کیسی ہو؟ میں ہر وقت تمہارے بارے میں سوچتا رہتا ہوں' تمہارے شیریں ہونٹوں' تمہاری ملائم بانہوں' تمہارے ریشمیں بالوں' تمہاری میٹھی زبان اور تمہارے بے مثال جسم کے بارے میں۔ جب بھی تمہارے بارے میں سوچتا ہوں (اور کب نہیں سوچتا) عجیب عجیب خدشات ذہن میں آتے ہیں' کبھی سوچتا ہوں تم ٹام کے ساتھ رقص کر رہی ہوگی' کبھی خیال آتا ہے تم ڈک کے ساتھ ڈیٹ پر ہوگی' کبھی وہم ہوتا ہے کہ تم ہیری کے ساتھ تیراکی کر رہی ہوگی......اور جب بھی اس قسم کا کوئی خیال آتا ہے میری انگلیاں مشین گن کے ٹرائیگر پر تیزی کے ساتھ چلنے لگتی ہیں۔ میرے ساتھی مجھے Butcher قصاب کہنے لگے ہیں۔

ہم لوگ یہاں جنگ کرنے آئے تھے' اس سرزمین کو ڈکٹیٹر سے آزاد کرانے اور اس کی فورسز کا قلع قمع کرنے' لیکن جب فوج ہی مدمقابل نہ ہو تو ہم نے تو ایمونیشن پھونکنا ہی ہے سویلین لوگوں پر ہی سہی۔ لیکن اندھا دھند ایمونیشن پھونکتے وقت میرے ذہن میں تم اور تمہارے متعلق لاحق خدشات ضرور موجود ہوتے ہیں۔ خیر یہ مشرقی لوگ چار چار شادیاں کرتے ہیں' بیس بیس بچے پیدا کرتے ہیں' جتنے مرتے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ سال بھر میں بڑھ جاتے ہیں۔ آج کل ہمارے کمانڈروں نے ہمیں بیٹل آف ہارٹس اینڈ مائنڈز پر لگا رکھا ہے کہ جن لوگوں کو مارا ہے ان کے اعزا و اقارب

کے دل جیتو اور اس کا طریقہ یہ نکالا گیا ہے کہ ان لوگوں میں چاکلیٹ' بسکٹ اور پانی کی بوتلیں بانٹی جائیں۔ لیکن عجیب ناشکرے لوگ ہیں اول تو ہمارے نزدیک ہی نہیں پھٹکتے اور جو چند ایک آتے ہیں وہ ہمارے سامنے ہی بوتلیں اور چاکلیٹ گٹروں میں پھینک دیتے ہیں۔ گٹر یہاں بے حساب ہیں' کھلے ہیں اور ابل رہے ہیں۔ ایک وجہ عراق پر حملہ کرنے کی یہ بھی تھی کہ یہاں کی ظالم حکومت عوام کی صحت و صفائی سے مجرمانہ غفلت برت رہی تھی۔

میرا خیال ہے کہ لوگوں کا یہ محتاط اور شک آمیز بلکہ مخالفانہ رویہ ہمارے کچھ لڑکوں کی شرارتوں کی وجہ سے بھی ہے۔ ہوا یہ کہ ہم نے بعض علاقوں میں قلت خوراک کے شکار لوگوں کے لیے ڈاگ فوڈ کے ہیلو پیکٹ گرائے تو کچھ لڑکوں نے ازراہ مذاق اور شرارت کچھ ہیلو پیکٹس میں بوبی ٹریپ پیک کر کے گرا دیں تو جہاں کچھ لوگوں کو کتا بسکٹ ملے وہاں دوسروں کو موت نصیب ہوئی۔ چنانچہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ چاکلیٹ اور منرل واٹر بھی کسی قسم کے بوبی ٹریپ ہیں۔ ایک افسوسناک خبر سنو' ہمارا دوست جارج کل بصرہ کے نواح میں فرینڈلی فائر میں مارا گیا' ہمارے ہی ایک اپاچی ہیلی کاپٹر نے ایرانی مداخلت کار سمجھ کر ان پر راکٹ برسا دیئے' بچنے والوں نے ہیلی کاپٹر کو ایرانی ہیلی کاپٹر سمجھ کر مار گرایا۔ جیس کرائسٹ کا شکر ہے کہ ہماری اکثر اموات دوستانہ فائر سے ہی ہوئی ہیں' عراقیوں کو بہت کم ہمیں مارنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

کچھ مجسمے بھیج رہا ہوں' بغداد میوزیم سے ٹرافی کے طور پر لایا تھا۔ ان میں ایک داڑھی والے بدشکل بڈھے کا مجسمہ ہے جو ہزاروں سال قدیم ہے۔ اس شخص کا نام حمورابی تھا۔ یہاں کے لوگ اس پہ بہت فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسانیت کو قانون دینے والا سب سے پہلا شخص یہی تھا۔ میرا خیال ہے کہ جھوٹ بولتے ہیں جہاں دو ہزار سال بعد مسیح بھی سوائے جنگل کے قانون کے کوئی قانون نہ ہو وہاں جیسز سے دو ہزار سال پہلے کوئی قانون بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔

ابھی ہمارا کام ختم نہیں ہوا ابھی کچھ مزاحمت کی جیبیں باقی ہیں۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ پورا ملک ہی مزاحمت کی بہت بڑی جیب ہے۔ سننے میں آ رہا ہے کہ سیریا اور ایران

کے لوگوں کو بھی آزادی دلانا ہے' جانے کتنا عرصہ ان منحوس علاقوں میں رہنا پڑتا ہے خدا بش اوراس کے حواریوں کو غارت کرے۔

سویٹ ہارٹ دعا کرنا خدا فرینڈلی فائر سے بچائے رکھے' بہت خوفناک ہوتا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ یہ بھی لڑکے شرارتاً کرتے ہیں' ہم امریکی بہت شریر ہوتے ہیں۔ بہرحال ٹام' ڈک اور ہیری سے ہوشیار۔

تمہارا اور شاید صرف تمہارا
مائیکل

کتابوں پر تبصرہ

نام کتاب: ادبیات جدید اور ندامت فلسفیانہ
مصنف: پروفیسر غلام افلاطون بقراطی

پروفیسر غلام افلاطون بقراطی کا نام نامی اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں' آپ گزشتہ تیس سال سے گورنمنٹ انٹر کالج خفقان پور میں فلسفے کے استاد ہیں اور فلسفہ ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ گزشتہ دنوں ان کی زیر تبصرہ کتاب کی تقریب رونمائی میں راقم نے دریافت کیا کہ حضور آپ ابھی تک نا کتخدا کیوں ہیں تو فرمایا تمہاری اطلاع غلط ہے ہم تو کب کے کتخدا ہو چکے ہیں۔ میں نے حیرت کا اظہار کیا تو مسکرا کر فرمایا کہ بھائی ہماری شادی تو فلسفے کے ساتھ ہو چکی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب پڑھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ ان کی شادی فلسفے کے ساتھ ہو چکی ہے کیونکہ ان کا فلسفے کے ساتھ رویہ اور فلسفے کا ان کے ساتھ سلوک ویسا ہی ہے جیسے فلسفہ کے پروفیسروں اور ان کی بیویوں کے ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں آپ نے ادبِ جدید کے مختلف فلسفیانہ پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔ آپ کی نظر وجودیت' ساختیات اور پس ساختیات سے کہیں آگے تک جاتی ہے۔ حقیقت شعور' انفعالی ادراک' تجرباتی ناگہانیت' آشکار انرگسیت' طلاطم خیز صداقت' ناگزیر منطقیت' کامل معروضیت' متناقص مقصدیت اور قطعی موضوعیت آپ کی تحریر کے عناصر عشرہ ہیں۔

آج کا ادیب جس سسی فسانہ لایعنیت کا شکار ہو کر متعصّبانہ لغویت اور کائناتی

غیر معقولیت کی طرف جاتے ہوئے ندامت فلسفیانہ کا شکار ہو گیا ہے پروفیسر موصوف نے اس کا انتہائی بے لاگ تجزیہ کیا ہے۔

جدلیاتی مادیت کی پیچ در پیچ گتھیاں سلجھاتے ہوئے اور لاشیئیت کی متحرک اور فعال قوتِ داخلہ کو بروئے کار لاتے ہوئے انہوں نے جدید ادیب کو نوفلاطونیت کے تاریک سایوں سے نجات دلانے کی شاندار کوشش کی ہے۔ تحریر میں کہیں بھی ذرا بھر شعور کا اٹکاؤ یا فکر کا الجھاؤ دکھائی نہیں دیتا۔

اکیسویں صدی کے آغاز میں ہماری شاعری اخلاق کی بورژوا غیر معقولیت کا شکار ہو گئی ہے اور اس میں نفوذ کر جانے والی بے روح منطقیت نے اسے متشددانہ کلیت محض بنا کر رکھ دیا ہے۔ اس کی پروفیسر بقراطی نے برمحل نشاندہی کی ہے۔ اگر آج کے ادیب اور شاعر نے خود کو ذاتِ کاذب بننے سے بچانا ہے تو اسے حیاتی محرومی اور معروضی مشتملہ سے گریز کرنا ہوگا۔ کلاسیکی وجودیت اور غیر کلاسیکی پس ساختیات کے امتزاج سے ایک نئی طبیعیاتی اور مابعد الطبیعیاتی معطیہ کو تخلیق کرنا ہوگا۔

پروفیسر بقراطی کا ادب اور فلسفہ دونوں پر احسان عظیم ہے کہ انہوں نے جدید ادبیاتی و فلسفیانہ مسائل کی نشاندہی کی اور لاینحل اشکالات کو رفع کرنے کی عظیم الشان' بے مثال اور لازوال سعی (خود ان کے اپنے الفاظ میں سعیٔ لاحاصل) کی ہے۔

ہماری دعا ہے کہ وہ گورنمنٹ انٹر کالج خفقان پور کے پرنسپل بنیں' اربابِ حل و عقد سے گزارش ہے کہ انہیں شعبۂ فلسفہ کا تاحین حیات سربراہ مقرر کیا جائے (ان کی حیات رہ ہی کتنی گئی ہے' چراغِ سر رہگزر اور چراغِ آخر شب ہیں آپ)

نام کتاب: دانتے اور غالب کے فکری رشتے

مصنف: پروفیسر مغلوب غالبی

پروفیسر مغلوب غالبی مشہور زمانہ غالب شناس ہیں۔ ادبی حلقوں میں آپ پروفیسر مغضوب کے نام سے جاتے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے انتہائی چونکا دینے والی ہے۔ پروفیسر مغلوب نے ابتدائیہ میں ہی قاری کے پیروں تلے سے زمین

کھینچ لینے والا ایک انکشاف فرمایا ہے' لکھتے ہیں:

''مرزا اسد اللہ خان متخلص بہ غالب اور فیوہر دانتے متخلص بہ کامیڈی کی وجہ شہرت بننے والی کتابوں کے ناموں میں جو مشابہت پائی جاتی ہے وہ قابل غور ہے۔ اسد اللہ خان کی کتاب ہے دیوانِ غالب اور دانتے صاحب کی ڈیوائینِ کامیڈی...... فارسی کا دیوان جرمن میں ڈیوائین ہو جاتا ہے یا یوں کہہ لیں کہ زبانِ المانی کا ڈیوائین فارسی اور اردو میں دیوان بن جاتا ہے......''

سبحان اللہ غالبی صاحب کو کس قدر دور کی سوجھی ہے اور کتنے دور کی کوڑی لائے ہیں۔ محقق کے مطابق دونوں عظیم شخصیات کے خاندانی پس منظر بھی ایک دوسرے سے خاصے مشابہ ہیں۔ اسد اللہ خان غالب کا تعلق طبقہ اشرافیہ سے تھا بیچارے حالات کا شکار ہو کر فکر و فاقہ کی اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ یہی حالت دانتے کامیڈی کی تھی وہ بھی ایک کاؤنٹ کے پوتے تھے جن کا کاسل آج بھی دریائے ڈینیوب کے کنارے سربلند کھڑا ہے اور وہیں موزارٹ نے اپنی مشہور دھن بلیو ڈینیوب تخلیق کی تھی۔ حالات نے دانتے کو بھی فکر و فاقہ سے دوچار کیا۔ یوں غالب اور دانتے کے درمیان فکر و فاقہ کا ایک لازوال رشتہ ہے۔

دونوں ہی عمر بھر مقروض رہے' دونوں بلانوش تھے اور دونوں ہی کو خاصی جدوجہد کے بعد اپنے اپنے بادشاہوں کے دربار میں رسائی ملی۔ یہ الگ بات کہ غالب کے بادشاہ کی سلطنت دلی تا پالم تھی اور وہ غالب کو صرف بیسنی روٹی اور ارہر کی دال پر ہی ٹرخاتے رہے جبکہ دانتے کے بادشاہ کی سلطنت میں وفاقی جمہوریہ جرمنی' عوامی جمہوریہ جرمنی' آسٹریا' ہنگری اور پولینڈ بھی شامل تھے اور پھر دانتے پہ خاصا ہن برسا۔ دونوں ہی جوا کھیلتے تھے' یہ الگ بات کہ دانتے کامیڈی کبھی جوا کھیلتے ہوئے پکڑے نہیں گئے۔ دونوں کی مستقبل پہ گہری نظر تھی اور بصارت سے کہیں زیادہ بصیرت رکھتے تھے یا یہ کہ بصیرت سے کہیں کم بصارت رکھتے تھے۔ دونوں صوفی منش تھے' دونوں نے مسائل تصوف نظم کیے البتہ دانتے صاحب ''ترابیاں'' نہیں پڑھتے تھے۔ ایک اور مشابہت دونوں میں یہ ہے کہ حضرت علامہ اقبال دونوں کے علم و فضل کے معترف تھے۔

دونوں ہی بزرگان مشکل لکھتے تھے۔ جناب دانتے کامیڈی کی بہت سی نظموں کو سمجھنے کے لیے ہمہ وقت لغت آلمانِ قدیم مہیا رکھنی پڑتی ہے اوراسی طرح جناب اسداللہ خان غالب کو پڑھنے کے لیے شرح دیوان مصنفہ جناب جوش ملسیانی ملیح آبادی ناگزیر ہوتی ہے۔

راقم الحروف کو بھی کافی عرصے سے لگتا تھا کہ دونوں بزرگوں کی فکر کے مابعد الطبیعیاتی ڈانڈے کہیں نا کہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں‘ لیکن زیرنظر کتاب پڑھنے کے بعد میرا فکری الجھاؤ بالکل ختم ہوگیا ہے اور حقائق اظہر من الشمس ہوکر منصۂ شہود پر آ گئے ہیں۔

پروفیسر والضالین‘ معافی چاہتا ہوں مغضوب علیہ...... او ہو یہ قلم بھی کیا لغزش پہ لغزش کیے جارہا ہے...... پروفیسر مغلوب غالبی نے فکر غالب پہ شاندار تحقیقی کام کیا ہے۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ دیوانِ غالب میں انٹرنیٹ‘ الٹرا سونوگرافی‘ سیسمو گرافی‘ لیزر بیم اور بلیک ہولز کے بارے میں بلیغ اشارے ملتے ہیں اور ایسے ہی اشارے جناب کامیڈی کے ڈیوائین میں بھی پائے گئے ہیں۔ اب یہ اہل یورپ کی جرأتِ تحقیق کہ انہوں نے ان اشاروں کو عملی صورت دی اور ستاروں سے آگے جہان بسانے نکل گئے جبکہ ہماری ہمتِ کفر کہ ہم غالب پر کفر کے فتوے صادر کرتے رہے اور ان کے کلام کو معتوب ٹھہراتے رہے اور یوں پسماندہ کے پسماندہ رہے۔ پروفیسر غالبی نے تحقیقی کام جاری رکھا ہوا ہے اور امید ہے کہ وہ دیوانِ غالب اور ڈیوائین کامیڈی میں سے ایڈز اور سارس کا شافی علاج نیز کمپیوٹر وائرس کا مستقل حل اور میڈ کاؤ بیماری کی ویکسین تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے...... ہم انہیں نوبل انعام یافتہ دیکھنا چاہتے ہیں۔

نام کتاب: تقابل فی مابین معاشرہ ہائے ارتقاپذیر وتنزل پذیر
مصنف: ڈاکٹر ابن خلدر شدونی

نام بڑا درشن چھوٹے‘ کتاب کا نام تو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ زیرنظر کتاب میں ترقی پذیر اور تنزل پذیر معاشروں کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہوگا۔ ان عوامل کا تذکرہ ہوگا جو ترقی اور تنزل پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان خرابیوں کا علاج تجویز کیا گیا ہوگا جو معاشرے کو

زوال کی طرف لے جاتے ہیں...... لیکن یہ کتاب مایوس کن ہے۔

ڈاکٹر ابن خلدر شدونی ایک مقامی یونیورسٹی میں عمرانیات کے استاد ہیں‘ ان کی وجۂ شہرت ان کی متنازعہ کتابیں ہیں‘ جن میں موجودہ کتاب کے ساتھ ایک اور ناخوشگوار اضافہ ہوگیا ہے۔ انہیں کئی بار پروفیسری سے معطل کیا گیا‘ ان کے خلاف محکمانہ کارروائیاں ہوئیں۔ محبّ وطن طلبہ نے کئی بار ان کے ساتھ ڈھول دھپا بھی کیا لیکن موصوف نجانے کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں...... زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد...... ناک کی سیدھ میں اپنے لغو نظریات کے ساتھ چلے جارہے ہیں۔

زیرنظر کتاب میں مصنف کی طرف سے پیش کردہ چیدہ چیدہ نظریات درج ذیل ہیں۔ ترقی پذیر معاشرے میں سائنس دانوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے جبکہ تنزل پذیر معاشرے میں سیاستدانوں کی۔

معاشرے کے زوال کے اسباب کی بجائے آباؤ اجداد کے قصائد پڑھنے اور ان کی کامرانیوں کے قصے بیان کرنے والے ماہرین معاشرے کی جڑیں کاٹ رہے ہوتے ہیں۔ ترقی پذیر معاشرے میں فیوچرالوجی (مستقبلیات) پر زیادہ زور دیا جاتا ہے جبکہ تنزل پذیر معاشرے میں پاسٹ ہسٹری (ماضی کی تاریخ) پر۔

جب کسی معاشرے میں بعض شخصیات کو مقدس گائے قرار دے کر ان پر تنقید حرام ٹھہرا دی جائے تو ترقی کی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں۔ اگر کسی معاشرے کے تعلیمی اداروں میں اساتذہ کا میرٹ سب سے نیچے ہو تو اس کے زوال کی کوئی اور علامت تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

اگر کسی سماج میں پروفیشنل گریجویٹ پولیس اور بیوروکریسی کے مقابلے کے امتحانات میں شرکت کرنا شروع کردیں تو اس معاشرے پر انا للہ پڑھ لیجیے۔

پریس رپورٹروں اور وکلاء کی تعداد میں اضافہ زوال کے براہِ راست متناسب ہے۔ عبادت گاہوں کی بڑھتی ہوئی تعداد معاشرے کے ذہنی اور فکری انتشار کو ظاہر کرتی ہے۔ (مصنف کا خبث باطن)

اگر کسی معاشرے میں لاؤڈ سپیکروں کی فروخت میں اضافہ ہوجائے تو سمجھئے کہ

اس کی ترقی اور خوشحالی کے دن گنے جا چکے ہیں (خبث باطن کی ایک اور مثال)

جب قومی اخبارات میں ڈاکٹروں، حکیموں اور عطائیوں کے صفحے صفحے کے اشتہارات چھپنا شروع ہو جائیں تو معاشرے کی ذہنی اور جسمانی صحت پر فاتحہ پڑھ لیجیے۔

کیلے کے چھلکے سے پھسلنے اور بائیسکل سے گرنے والوں پر ہنسنے والوں کی تعداد جتنی زیادہ ہو گی معاشرے کی بقاء کے امکانات اتنے ہی معدوم ہوتے جائیں گے۔

میں نے کتاب کو جستہ جستہ پڑھا ہے، اسی قسم کی خرافات سے بھری ہوئی ہے۔ ہمیں ہمارے تابناک ماضی اور بنیادی نظریے سے جدا کرنے کی ایک سازش ہے۔ لگتا ہے حکومت کا پریس اور پبلی کیشنز پر کنٹرول ختم ہوتا جا رہا ہے...... ایسے مایوسی پھیلانے والے نام نہاد دانشوروں کو جیل میں ہونا چاہیے یا پاگل خانے میں۔

تذکرۂ بروج وسیارگان

میزان

ہر وقت میز پر سر رکھ کے سوئے رہنا بری بات ہے، کبھی کام بھی کر لیا کیجیے، ہاں انا اور آن جیسی صفات سے اجتناب کیجیے۔ جمع تفریق میں محتاط رہیں کیونکہ کل میزان درست نہیں آئے گا۔ پورا سو ہونا بہت مشکل ہے، ننانوے سے لوڈو کے سانپ کی طرح منہ کے بل گر کر واپس ایک پر آ سکتے ہیں منصف ہیں تو بدستور میزان میں ڈنڈی مارتے رہیے اور دکاندار ہیں تو بھی میزان کے پلڑے اپنے حق میں رکھیں ورنہ مال و دولت کبھی آپ کے حق میں نہیں ہوں گے اور آپ دو وقت کی روکھی سوکھی ہی کما پائیں گے۔ اگر مہمان ہیں تو یاد رکھیے کہ میزبان آپ سے اکتا چکا ہے اب اس کی جان چھوڑیئے اور اگر میزبان ہیں تو ہمدردی کے مستحق ہیں۔ رومان آپ کو راس نہیں آتا اور ارمان پورے نہیں ہوتے، اچھے وقتوں کا انتظار کیجیے۔

اسد

میاں اسد، سدا باغوں میں بلبل نہیں بولتے اور سدا باغوں میں بہاریں نہیں رہتیں۔ اگرچہ اسد بادشاہ ہوتا ہے لیکن اس بھرے میں مت رہیے...... کتنے بادشاہ باقی رہ گئے ہیں شہروں میں بھی اور جنگلوں میں بھی...... بادشاہ سلطنتوں کے ہوں یا جنگلوں کے...... تیزی سے معدوم ہوتی نسلیں ہیں۔ اسد بن کے جیو، اگر کوئی جینے دے تو، ورنہ جیسے بھی چانس

ملے جیو‘ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے بہتر ہے قسم کے اقوال زریں اس دور میں بے وقعت ہو چکے ہیں۔ سوسال زندہ رہو گے تو توقع ہے کہ تمہارے دن بھی آئیں گے۔ کہتے ہیں کہ ہر کتے کا ایک دن آتا ہے‘ گیدڑ کا کیوں نہیں آ سکتا۔ مارے گئے تو ٹائیں ٹائیں فش‘ شیر کی موت مرنے سے نہ تو ورثاء کی حالت سدھرتی ہے نہ خلق خدا ایصال ثواب کے لیے کچھ کرتی ہے‘ لہٰذا جیسے بھی ہو جیو اسد نہ سہی شغال سہی۔

عقرب

اے عقرب صفت انسان نیش زنی سے باز آ کیونکہ تم سے کہیں بڑے عقارب تمہارے اردگرد موجود ہیں یاد رکھو تمہارے اکثر اقارب عقارب سے کم نہیں۔ رب رب کر اور رب سے ڈر۔ ع کا قرب حاصل کرنے کی سعیٔ لاحاصل ترک کر دو اور یوں بھی ق کا دور ہے۔ بہرحال ع اور ق دونوں فانی ہیں رہے نام رب کا۔

اگر تمہارا تعلق ہفتہ وصولی کرنے والی کلاس سے نہیں تو تمہارا ہفتہ خوشگوار کیونکر گزر سکتا ہے۔ وہی لامتناہی بھاگ دوڑ‘ بیمار بچے‘ گرگ صفت بیوی‘ خبیث باس‘ بے درد حاکم‘ قصاب مالک مکان‘ مہنگا آٹا ملاوٹ شدہ‘ دودھ گھی اور دوائیں اور...... اور......

بہرحال ڈنک مارتے رہو ورنہ کوئی بھی تمہیں اپنے جوتے سے کچل ڈالے گا کہ یہی اس دنیا کا دستور ہے۔

جوزا

جوزا میاں زوجہ کی خدمت کرتے رہو کیونکہ ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد ...... یہ جو بڑے بڑے مخدوم پھرتے ہیں زوجاؤں اور محبوباؤں کی خدمت کر کے ہی مخدوم بنے ہیں ورنہ تم کیا سمجھتے ہو کہ تم جیسے ٹکے ٹکے کے عوام کی خدمت کر کے مخدوم ہوئے ہیں۔ عقل سے کام لو بھیا...... جوزا تمہارے پاس اپنی کاہلی کا کوئی جواز نہیں۔ زندگی ایک بہت سنجیدہ معاملہ ہے اسے سنجیدگی سے لو‘ تم ایک خاصے جاذب نظر انسان ہو خود پہ بھروسہ رکھو‘ یاد

رکھو کہ جز قیس کوئی اور بروئے کار نہیں آئے گا...... اور تمام اجزائے آفرینش زوال آمادہ ہیں ...... اور جزا سزا سب یہیں پہ ہوگی۔

جدی

اے جدی گردش دوراں نے تمہیں جوانی میں ہی جد بنا دیا ہے‘ بے تحاشا بھاگ دوڑ اور بے مصرف جدوجہد نے تمہارے خال و خد کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ گھبراؤ مت کہ یہ مرحلہ آنا تو تھا ہی تمہاری جلد بازیوں کی وجہ سے کچھ جلدی آ گیا۔ چہرے کی سلوٹوں سے پریشان نہ ہو کہ نامراد زندگی نے تمہیں دوسروں سے کچھ زیادہ پہنا ہے۔ اگر بھلے وقتوں میں جدہ نکل گئے ہوتے تو آج تمہارے چہرے پہ بھی بہاروں کے رنگ ہوتے اور ہونٹوں پر مرغزاروں کے گیت...... بچپن تم نے ابجد خوانی میں گزار دیا کوئی ویلڈنگ سیکھی ہوتی کوئی پلمبنگ کا کورس کیا ہوتا...... اب تم ہو اور اب وجد کی طرح دو وقت کی روٹی کے لیے جدوجہد...... لیکن بہرحال دنیائے دنی کو نقش فانی سمجھو...... حیاتِ اخروی پہ نظر رکھو جنت کی امید رکھو جئے جاؤ۔

حوت

حوت صاحب اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت‘ اب حو حو کر کے اڑاؤ یا تے تے کر کے کھیت تو رہا نہیں۔ ہونی ہو کر رہتی ہے اسے کون ٹال سکتا ہے‘ لیکن ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ یاد رکھو جو جاگت ہے سو پاوت ہے جو سووت ہے سو کھووت ہے‘ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مایا کو مایا ملے کر کر لمبے ہاتھ۔

دلو

جی نہیں یہ دلو یا دِلو نہیں دلو ہے‘ لام اور واؤ دونوں ساکن ہیں‘ اس کے معنی ہیں ڈول‘ آپ کا ڈیل ڈول مناسب ہی ہے۔ ٹھاٹھ باٹھ سے رہنے کی کوشش کیجیے آئیں بائیں شائیں کرنے سے گریز کیجیے۔ آن بان کا خیال رکھیے...... کنوئیں میں سے ڈول نکالنا

ضروری سہی لیکن پہلے کتا نکالنا مت بھولیے۔ مصائب و آلام کے دَل کے دَل حملہ آور ہیں لیکن دِل پہ ملال مت لائیے' نظریات اور وابستگیوں میں ادل بدل کرتے رہیے (اچانک دولت مل سکتی ہے) ''دل بدلُو'' بنئے۔ گوشت کم کھائیے دالیں زیادہ استعمال کیجیے' لیکن بہرحال دلیل بازی کم کیجیے۔

سنبلہ

سنبلہ سنبلہ سن ذرا سن ذرا...... آپ کے برج میں کس قدر موسیقیت پائی جاتی ہے...... سنبھل سنبھل کر چلئے' راہ بہت کٹھن ہے اور اس میں اتنی خوفناک بلائیں ہیں جو راہی کو سن کر کے رکھ دیتی ہیں ...... سنبلہ' سن بھلا' سوچ بھلا' کر بھلا' شاید ہو بھلا' سنبل کی کاشت کیجیے۔ تیزی سے بڑھتا ہے اور خاصا منافع بخش ہے اور اس پہ بلبل گھونسلے بناتے ہیں اور اس کے چھاؤں میں بڑے بل باندھے جا سکتے ہیں۔

ثور

جو دل میں آئے کیجیے لیکن اس دن کو ضرور ذہن میں رکھئے جب صور پھونکا جائے گا۔ آپ کی موت کسی جنگلی سور کے حملے کے نتیجے میں واقع ہو سکتی ہے۔ زندہ بچ گئے تو اس جانور کی خصلتیں آپ کے اندر پیدا ہو جانے کے بے تحاشا امکانات ہیں۔ دھیمے سروں میں بات کیا کیجیے' سر کی دنیا سے وابستہ کسی صراحی دار گردن والی حسینہ سے ملاقات کے امکانات ہیں۔ مملکت ثوریا میں آپ کو کامیابی نصیب ہو سکتی ہے۔ بل فائٹنگ میں قسمت آزمائیے' آپ بل (ثور) پر غالب آئے تو مال کمائیں گے۔ ثور آپ پر غالب آ گیا تو مکتی پائیں گے۔

سرطان

چھاتا بنیں کہ کوئی آپ کو سر پر تان سکے۔ سرتان میں وقت ضائع مت کیجیے۔ اپنے برج کے نام جیسی خصلت پیدا کرنے سے گریز کیجیے۔ اس سماج کو اور بھی متعدد سرطان

لاحق ہیں۔ دل میں پیچ ہو تو سرتان کر چلئے ورنہ کچھوے کی طرح خول میں بند رہا کیجیے۔ کیکڑوں کی فارمنگ کیجیے' ایک نیا کاروبار ہے' اس ملک کے عوام تازہ تازہ گلوبلائز ہوئے ہیں وہ کیکڑے کھانا چاہتے ہیں۔

قوس

زیادہ قیاس آرائیاں مت کرو اور کبھی اپنے گروہ کو مغربی گروہوں پر قیاس مت کرو۔ چڑھی ہوئی کمان کی طرح اکڑے مت رہو ٹوٹ جاؤ گے۔ مقیاس الھوا' مقیاس المطر' مقیاس الحرارت وغیرہ آلات کا کاروبار آپ کے لیے موزوں ہے۔ قصابی بھی کی جا سکتی ہے لیکن صرف کاروباز رویے قصابانہ نہ ہوں...... اگر آپ اقلیدس پڑھتے ہیں تو قوس لگانے اور قوس لگا کر عمود گرانے میں اچھی طرح مہارت حاصل کریں۔

قصہ گوئی و قصہ خوانی میں وقت ضائع نہ کریں...... کبھی کبھار جنگل میں بھی نکل جایا کریں کیونکہ قیس وہاں اکیلا ہے۔

حمل

حمالی کا شبہ موزوں ہے ریلوے میں ہو تو سونے پر سہاگہ۔ ٹکٹوں کی سیاہ بازاری سے خاصا مال کمایا جا سکتا ہے۔ ملیح رنگت موافق ہے' لحم خوری اور بسیار خوری سے اجتناب کریں۔ اگر لحیم شحیم ہیں تو سندھی کھیل مل میں قسمت آزمائی کریں۔ ہر وقت ہَم ہَم مت کیجیے دوسروں کو بھی اہمیت دیجیے۔ حاملہ بکری آپ کے لیے شگون بد ہے' راستہ کاٹ جائے تو صدقہ خیرات دیں' اچھی شہرت کے حامل لوگوں کی صحبت اختیار کیجیے۔ میلے کی طرف مائل رہنا خوب لیکن کمبل کا خیال رکھیں۔ دوستوں کی طرف سے دل میلا نہ کریں وہ بھی آپ ہی جیسے من کے میلے یا اجلے جو بھی کہیں...... ہیں۔ حامل رقعہ ہذا کا کام ضرور کر دیں۔

اقتباسات از ''سفرنامہ ہسپانیہ ابن بطوطہ جدید عرف آج کا ابن بطوطہ''

پرواز کردن از فرودگاہِ کیسابلانکا ورسیدن فرودگاہ میڈرڈ

ہمارا جہاز فوکر وقتِ شب 21 بج کر 45 منٹ پر کیسابلانکا ایئرپورٹ سے اڑا' ایک شاندار گڑگڑاہٹ کی جگہ ملائکہ کے پَروں کی سرسراہٹ نے لے لی اور رن وے پر دوڑتا ہوا جہاز فضا میں بلند ہوا۔ ہواپیما کی اڑان کا وقت تو 21 بجے رات تھا اور ہمارے ہاں ممالک شرقیہ میں اتنی دیر معمول کی بات ہے۔ لیکن اس جہاز کی روانگی میں گر تاخیر ہوئی تو کوئی باعثِ تاخیر بھی تھا۔ یہ ہمارے وزیرتجارت الشیخ مطعم بن ابوعدی المراکشی تھے جو ایک دس رکنی کے وفد کے ہمراہ ہسپانیہ کے دورے پر تشریف لے جارہے تھے۔ آخر وقت میں ہزمیجسٹی شاہ نے بریفنگ کے لیے طلب فرمالیا۔ شاہ نے تو دس ہی منٹ میں رخصت مرحمت فرمادی لیکن وزیرموصوف کاخ شاہی سے اپنی اہلیہ کے بلاوے پہ گھر چلے گئے یقیناً بیگم صاحبہ نے شاپنگ کی لسٹ عنایت فرمانا ہوگی۔ جہاز کے عملے نے بتایا کہ وزیرموصوف ایئرپورٹ پر میڈیا کے نمائندوں سے خطاب بھی فرمائیں گے۔ یہاں جناب ابن بطوطہ منظرنامے میں داخل ہوتے ہیں۔ میں نے ایئرپورٹ منیجر کو بلاکر دھمکایا کہ میں ورلڈ فیم سیاح ہوں اور اگر وزیرتجارت نے مزید تاخیری ہتھکنڈے استعمال کیے تو ایک پریس کانفرنس میں بھی کروں گا میڈرڈ ایئرپورٹ پر اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ جہاز میں بھی

ہسپانوی شہری موجود ہیں اور وہ تاخیر کی وجہ سے بیتاب ہیں اور گہری ناپسندیدگی کا اظہار کررہے ہیں۔ چنانچہ اگر دورہ ناکام ہوجائے تو پھر نہ کہیے گا کہ ہمیں خبر نہ ہوئی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ وزیرموصوف نے نہ صرف پریس کانفرنس منسوخ کردی بلکہ جہاز میں سوار ہوتے ہی میرے پاس تشریف لائے اور کہا ''یا سیدی مسرتاً شدیداً کہ انت ہمسفراً و معذرتاً عظیماً برائے تاخیراً''۔ ہم نے مسکرا کر معذرت قبول کی......

......ممالک مشرقیہ میں نظام حکومت طوائف الملوکی کا شکار ہے۔ ہر محکمہ خودمختار ہے' کارِحکومت سے بیزار ہے' مثلاً غور فرمائیے کہ ہمارے پاسپورٹ کی تجدید میں پندرہ روز صرف ہوگئے......ہم......جو مشہور فی العالم ہیں اور ایک Celebrity ہیں...... کبھی حکومت کی پروامریکہ پالیسی کے خلاف ہڑتال ہے تو کبھی متعلقہ افسر کا کوئی ذاتی جنجال ہے......غرض خلق خدا بدحال ہے۔ دوسری طرف مغربیوں کو ملاحظہ فرمائیے۔ ہم جیسے ہی ویزے کے لیے ہسپانیہ کے سفارتخانہ میں داخل ہوئے ویزا آفیسر بہ نفس نفیس صدر دروازے پر برائے استقبال موجود تھا' ہمیں نہ صرف غیر معینہ مدت کے لیے ویزا دے دیا گیا بلکہ شہریت کی پیشکش بھی کی گئی جو ہم نے ازراہِ قوم پرستی و حب الوطنی شکریے کے ساتھ رد کردی۔ ہزایکسیلنسی سفیر بہادر نے اپنے دفتر میں طلب فرمایا اور چائے' کافی وائن کے لیے پوچھا۔ ہم نے وائن کے لیے تو یہ کہہ کر معذرت چاہی کہ مراکو ایک اسلامی مملکت ہے اور ہم جب تک ملک کی سرحد عبور نہ کرلیں جہاز میں بھی ہارڈ ڈرنکس کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ البتہ جب تک کافی بلینڈ کی جاتی ہے انسٹنٹ چائے چلے گی اور وائن کے بدلے میکڈانلڈ برگر یا پیزا وغیرہ منگوا لیے جائیں۔ خیر یہ تو جملۂ معترضہ تھا......دوران پرواز کوئی واقعہ قابل ذکر رونما نہیں ہوا۔ ایئرہوسٹس دو تھیں' جو ماٹھی تھی وہ ہمارے گرد منڈلاتی رہی اور جو خوبصورت تھی' خدا اسے غارت کرے' وہ الشیخ مطعم بن ابوعدی المراکشی پہ صدقہ واری ہوتی رہی۔ ہم نے بھی احتجاجاً ماٹھی کو ذرا بھر لفٹ نہیں کرائی تب اسے بھی وزیرموصوف کے سیکرٹری کی طرف مائل ہونا پڑا جو کافی دیر سے رال ٹپکا رہا تھا منحوس شخص۔

بارے کچھ ذکر جہاز کا ہوجائے۔ فوکر اگرچہ چھوٹا جہاز ہے' دورانِ پرواز اس میں جھٹکے بھی لگ سکتے ہیں لیکن محفوظ ہے۔ ایک انجن کے ساتھ بھی اڑ سکتا ہے' اگر انجن واحد

بھی بند ہو جائے یا فیول ختم ہو جائے تو گلائیڈ کر سکتا ہے۔ کریش لینڈنگ آسان اور نسبتاً محفوظ ہوتی ہے، شاید سمندر میں تیر بھی سکتا ہے۔ صناعانِ مغرب کی صناعی کو سلام۔

23 بج کر 35 منٹ پر جہاز میڈرڈ ایئرپورٹ پر لینڈ کر گیا۔

گل گشت کردن در شہر میڈرڈ، بازی بل فائٹنگ و مبتلا شدن در عشقِ دوشیزۂ ہسپانوی

رات ہم نے الحمرا ہوٹل میں نزولِ اجلال کیا۔ ایک مقامی عیسائی کی ملکیت ہے لیکن مسلمان سیاحوں کو ترغیب دینے کے لیے نام الحمرا رکھا ہے۔ بیرونی طرز تعمیر بھی مثل اہل اسلام دکھائی دیتا ہے۔ لیکن محض طرز تعمیر ہی ہے چال چلن اور رنگ ڈھنگ ذرا بھی اسلامی نہیں، اندر بار ہے، ڈسکو ہے، کیسینو ہے ہم نے رسماً تینوں سرگرمیوں میں تھوڑا تھوڑا حصہ لیا۔ ایک ٹاپ لیس ڈانسر کا رقص دیکھا، انتہائی کمزور اور مریل سی تھی۔ سوکھے سڑے اعضا کو ہلانے سے کسی شریف آدمی کو کیونکر ہیجان میں لایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ کمرے میں جا کر کچھ دیر ایک بالغ ٹی وی چینل پر حسینوں کے جلوے دیکھے، ان میں بہت سی پر گوشت اور مجرب خواتین نظر آئیں، دل کو راحت اور آنکھوں کو طراوت ملی اور فوکر لیگ کے باوجود پرسکون نیند آ گئی۔ صبح ناشتہ کمرے میں منگوایا، ڈٹ کر کھایا۔ خوشبودار آبِ گرم سے جی بھر کر نہایا، شیو کر کے فرانسیسی پرفیوم خوب چھڑک کے کمرے سے باہر آیا...... ہسپانیہ کیا شاندار سرزمین ہے، مدتوں رہی ہماری زیرنگیں ہے داستان اس کی خوب رنگین ہے...... ہماری اس سے بے پناہ جذباتی وابستگی ہے۔

شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال کی نظمیں، سفرنامہ نگار مشرق قبلہ مستنصر حسین تارڑ کے سفرنامے اور مصور جذبات حضرت مولانا نسیم حجازی کے ناول نگاہوں اور قلوب و اذہان کے سامنے گھوم گھوم جاتے ہیں۔ کچھ دیر ہم بھیڑ بھاڑ والی سڑکوں پر گھومتے رہے اور نگاہوں کی پیاس بجھاتے رہے۔ ایک سڑک پر بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ تھی ہم انسانوں کے اس سیل بے پناہ میں شامل ہو گئے معلوم ہوا آج ایک مقامی سٹیڈیم میں بل فائٹنگ ہو رہی ہے اور یہ تمام شائقین ہیں جو اسی طرف رواں دواں ہیں۔ جب ہم سٹیڈیم کے صدر دروازے پر پہنچے تو ہمیں خیال آیا کہ اس کے لیے تو ٹکٹ کی ضرورت ہوتی ہے اور ٹکٹ کے لیے ایڈوانس

بکنگ ہوتی ہے اور عین وقت پر ٹکٹ ملنے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا۔ چنانچہ ہم نے کیمرہ ہاتھ میں لیا اور گیٹ کیپر کے سامنے کھڑے ہو کر ہجوم کا ایک آدھ فوٹو لیا اور پھر انتہائی شانِ بے نیازی سے سٹیڈیم کے اندر داخل ہونے لگے۔ اس دربان نامعقول نے درشتی کے ساتھ کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا "تکت سینور"

ہم نے کہا "ہم مشہور سیاح اور سفرنامہ نگار ابن بطوطہ"

اس نابکار نے کہا "پھر بھی تکت"

ہم نے کہا "سینور ہم رپورٹر، جرنلسٹ"

"اوہ اچھا سینور بی بی سی راگہ اومر"

ہم نے مسکرا کر کہا "ہاں"

وہ بولا "تو پھر جائیے میں آپ کا فین ہوں"

چنانچہ ہم نے اپنے مبینہ فین کا فوٹو لینے کا ٹوپی ڈرامہ کیا اور اندر داخل ہو گئے۔

اندر بے پناہ ہجوم تھا۔ ہم نے ایک خوبصورت ہسپانوی دوشیزہ کے پہلو میں ایک نشست پر قبضہ جمایا، لوگ سیٹیاں بجا رہے تھے، چیخ رہے تھے، اچھل رہے تھے، کچھ دیر بعد ہسپانوی زبان میں مکبر الصوت پر کوئی اعلان ہوا اور سٹیڈیم میں سکوتِ مرگ چھا گیا۔ ایک دروازہ کھلا اور ایک انتہائی موٹا تازہ لحیم شحیم بیل برآمد ہوا اور میدان میں آ کر ادھر ادھر بے مقصد بھاگنے لگا۔ ہمیں بہت برا لگا، بے مقصد بھاگ دوڑ کو ہم شدید ناپسند کرتے ہیں۔ لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا "تورو تورو تورو تورو......"

ہم نے اپنی ہم پہلو ہسپانوی حسینہ سے دریافت کیا۔

"اے گلابِ سرخ کی پنکھڑی کیا تو ہمیں بتائے گی کہ خلق خدا چلا چلا کر کیا کہہ رہی ہے" اس نے ہم پر سر سے پاؤں تک ایک نگاہِ غلط انداز ڈالی، بے ساختہ دل سے نکلا

ترچھی نگاہوں سے نہ مارو عاشق دلگیر کو
کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

پھر اس کے لبِ لعلیں میں جنبش ہوئی، ایک شیریں ترنم اس کنج لب سے پھوٹا۔

"تم مُور ہو۔"

مُور یہ لوگ مراکشیوں بلکہ تمام عربوں اور تمام مسلمانوں کو کہتے ہیں۔ ہم نے برصغیر پاک و ہند کی سیاحت سے اکتساب کردہ زبانِ اردو میں کیا

''اگر تم مورنی بن جاؤ تو ہم مور ہیں سو بار مور ہیں''

کہنے لگی ''میں تمہاری جارگن سمجھی نہیں''

میں نے کہا ''اے حور شمائل' پری صفت حسینہ میں مشہور و معروف سیاح ابن بطوطہ ہوں اور مراکو سے آیا ہوں''۔

بولی ''ہاں میں سوچ رہی تھی کہ تمہارا چہرہ شناسا شناسا لگ رہا ہے''۔

ہم خوش ہوئے کہ چلو کوئی تو ہمیں پہچانتا ہے' لیکن اس نے ایک لمحہ توقف کیا اور بولی

''دراصل یہاں ہزاروں مور رہتے ہیں اور سب ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں ......اور تمہارا چہرہ موروں کا پروٹو ٹائپ ہے' بہرحال یہ لوگ کہہ رہے ہیں تورو تورو جس کا مطلب ہے بل......اور یہ دراصل تمہاری عربی زبان کا ہی لفظ ہے ثور جس سے تورو نکلا ہے''

ہمیں اپنی کم مائیگی اور علمی بے بضاعتی پر خاصی شرمندگی ہوئی اور اس لائق و فائق دوشیزہ کے ساتھ آشنائی کی خواہش مزید پختہ ہوگئی۔

اکھاڑے میں واقعات سرعت کے ساتھ وقوع پذیر ہونے لگے تھے' ایک تیر انداز آیا اس نے بیل پر تیر پھینکے' ایک نیزہ باز آیا اس نے چند نیزے مارے اور آخر میں ایک تلوار باز آیا' جس نے دوڑا دوڑا کر تھکا تھکا کر بے چارے زخمی ثور یا تورو کو نڈھال کر دیا' اس کا انتہائی برا حال کر دیا اور اس کا بچنا محال کر دیا اور پھر تلوار کے پے در پے وار کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لوگ اس دوران چیخ چیخ کر' تالیاں پیٹ پیٹ کر اور سیٹیاں بجا بجا کر آسمان سر پر اٹھائے رہے' شور و غوغا اور واویلا مچائے رہے اور طوفان بدتمیزی برپائے رہے۔

میرے پہلو میں براجمان دوشیزہ اچھل اچھل کر مجھ پر گرتی رہی' یوں شوق جذبات میں نادانستہ مجھ پر عنایات و نوازشات ہائے بیجا کی طوفانی بارش برساتی رہی۔

لوگوں نے شرابِ خانہ خراب کی بوتلیں کھول لیں اور جام پر جام لنڈھانے لگے

یوں ایک وحشیانہ اور نامردانہ کھیل کے اس کے منطقی انجام کو پہنچانے کا جشن منانے لگے......

اگر یہ لوگ خونریزی کے اس نامنصفانہ اور بزدلانہ مظاہرے کو مردانگی اور جوانمردی کہتے ہیں تو ہم باز آئے ایسی جوانمردی سے۔ میرے آبائی شہر طنجہ شریف میں اس قدر قومی اور جسیم مردان جری موجود ہیں جو محض خالی ہاتھوں سے بیل کے کان بلکہ سینگ اکھاڑ پھینکیں اور اس کا گلا دبا کر مار ڈالیں لیکن وہ اس طرف متوجہ نہیں اور خدا کا شکر ہے کہ متوجہ نہیں کیونکہ یہ بے مقصد خونریزی کوئی سپورٹس نہیں۔ خود ہمارا سالا شیخ سنبلہ بن سرطان الجوزی اس قدر مضبوط اور قوی انسان ہے کہ خالی مونچھوں سے ٹویوٹا ویگن کھینچ لیتا ہے۔

''کھیل پسند آیا''

ہسپانوی دوشیزہ نے اپنے ملائم دست حنائی کی گرفت ہمارے شانے پر مضبوط کرتے ہوئے پوچھا۔ میں نے نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر انتہائی دیانت داری کے ساتھ جواب دیا۔

''دیکھئے حسین خاتون' آپ کی صحبت کے باوجود میں اس کھیل کو پسند نہیں کر سکا' کیونکہ مجھے خونریزی کا کوئی بھی کھیل پسند نہیں' سیاست کا ہو' مذہب کا ہو یا سپورٹس کا ہو''۔

''اوہ تو تم نے ہمارے قومی کھیل کو ناپسند کیا''

''میری بدقسمتی خاتون' لیکن کیا کروں میں ایک حق گو اور بے باک شخص ہوں اور......اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی۔''

''کس کو کیا نہیں آتی'' وہ حیرت زدہ ہو کر بولی ''لیکن بہرحال مجھے تمہاری سچائی پسند آئی میں سچے اور دیانتدار لوگوں کو پسند کرتی ہوں......میرے پاس گاڑی ہے چلو میں تمہیں ڈراپ کر دوں لیکن اس سے پہلے میں تمہیں چند گلاس ہسپانوی انگوروں کی مے پلانا پسند کروں گی''۔

اور یوں ہم اس حسینہ کی بانہوں میں بانہیں ڈالے سٹیڈیم سے باہر نکلے......

ہمارے سٹیڈیم میں داخلے کا منظر بھی ذہن میں لائیے......اور پھر اس دوشیزہ کی طرح ہی چمکتی دمکتی اور مہکتی پورشے کار میں بیٹھ گئے......ملاحظہ فرمایا قارئین سچ بولنے کے کس قدر فوائد ہیں۔

اگر میں اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بل فائٹنگ کی تعریف میں زمین آسمان کے

قلابے ملا دیتا تو یقیناً وہ مسکرا کر تعریف قبول کرتی اور مجھے میرے حال پر چھوڑ کر چلی جاتی۔

زیارتِ جبل الطارق' ملاقات بہ السید الاندرونی و بہ تمیز بد پیش آمدن الشیخ بوجم بن بوطفلیقہ

ہم اپنی ہسپانوی دوست ماریانا کے ہمراہ جبل الطارق کی زیارت کے لیے جبرالٹر گئے۔ جزیرہ نما جبرالٹر ان دنوں انگریزوں کے ناجائز قبضے میں ہے۔ سمندر کی ایک تنگ آبنائے کے پار ہمیں ارض وطن دکھائی دے رہی تھی۔ آبنائے جبرالٹر کے پار ہمارا وطن مالوف طنجہ شریف ہے۔ یہی وہ بحرِ ظلمت ہے جس میں ہمارے اسلاف نے گھوڑے دوڑا دیئے تھے اور یہیں عظیم بربر جرنیل طارق نے کشتیاں جلائی تھیں۔ ہم پہاڑی پر کھڑے خاک وطن پہ نظریں جمائے ہوئے تھے اور چشم تصور سے عظیم ماضی کے شاندار مناظر دیکھ رہے تھے کہ اچانک ایک نوجوان نے سلام علیکم کہا' ہم نے چونک کر دیکھا تو چہرہ شناسا سا لگا۔ تعارف پر ہمارا چچازاد بھائی نکلا' ہمارے باپ کے بھائی کا بیٹا نہیں ہمارے ایک بزرگ سیاح اور عظیم جغرافیہ دان چچا البیرونی مرحوم کا بیٹا السید الاندرونی' بی بی سی کی طرف سے ہسپانیہ اور برطانیہ کے تنازع' جبرالٹر کے حوالے سے ایک فلم بنا رہا تھا۔

چچا البیرونی سے ہماری ملاقات ہندوستان جاتے ہوئے ہوئی تھی' اس وقت وہ خاصے ضعیف ہو چکے تھے۔ ہم مشہد سے ہرات جا رہے تھے کہ ایران افغان بارڈر پر ہمیں یہ سعادت نصیب ہوئی۔ ایرانیوں نے انہیں قرنطینہ میں رکھا ہوا تھا' ان دنوں افغانستان میں سارس نامی بیماری کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ ہم نے سلام کیا' مصافحہ ہوا معانقہ کیا' ہمارے بارے میں کچھ مضامین اور ہمارے سفرنامے کی چند اقساط انہوں نے پاکستان کے اخبارات میں پڑھ رکھی تھیں' از حد شفقت سے پیش آئے۔ از حد خوش مزاج انسان تھے' ہماری ناف میں اپنی انگشت شہادت چبھوتے ہوئے بولے ''یہ رہا تمہارا مرکز'' ہم نے یہ واقعہ کزن الاندرونی کو سنایا تو وہ فوراً آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور بولا

''ابن عم خوش مزاجی کیسی خلل دماغ تھا۔ پاکستان کی سطح مرتفع پوٹھوہار میں مرکز زمین تلاش کرنے کی تحقیق کے دوران وہاں کی خشک آب و ہوا اور ریٹائرڈ فوجیوں کی طرف

سے سنائی جانے والی کہانیوں نے ان کا یہ حال کر دیا تھا۔ ہر ملنے والے کی ناف میں انگلی گھونپ دیتے اور کہتے یہ رہا تمہارا مرکز ہرات کی ایک ضیافت میں مرتے مرتے بچے' کمانڈر اسمٰعیل کے پیٹ میں انگلی گھونپ بیٹھے تھے۔ اس نے سفید داڑھی اور علم و فضل وغیرہ کا خیال کیا ورنہ تم تو جانتے ہو کہ افغان کمانڈر تو انسان کی جان لینے کے بہانے تلاش کرتے ہیں''۔

بھائی الاندرونی نے جب مجھے اپنے پراجیکٹ کے بارے میں بتایا تو میں نے انہیں مشورہ دیا کہ اس ڈاکومنٹری کا آغاز حضرت علامہ اقبال کی نظم سے ہونا چاہیے۔

طارق چو برکنارۂ اندلس سفینہ سوخت

اور یہاں ایک زمانہ قدیم میں استعمال ہونے والی کشتی کو شعلوں کی لپیٹ میں دکھایا جائے اور پھر کیمرہ برطانیہ کے بحری بیڑے پر چلا جائے۔ میرے فاضل نوجوان دوست کا Concept کچھ زیادہ Clear نہیں تھا' کہنے لگا مگر حضرت علامہ نے تو فرمایا ہے کہ مجاہدین نے اس سمندر میں گھوڑے دوڑائے تھے۔ ہم نے کہا وہ کوئی اور بحر ظلمات ہوگا۔ تواریخ میں بھی کشتیاں جلانے کا تذکرہ ہی آیا ہے۔ انہوں نے چند تواریخ کے نام گنوانے کو کہا تو ہم نے تاریخ طبری' معجم کبیر طبرانی' فتوح البلدان بلاذری' تاریخ نسیم حجازی اور تذکرۂ ڈاکٹر مبارک علی کے نام لیے۔ کہنے لگے یہ تو مسلمانوں کی تاریخیں ہیں کسی یورپین مستشرق کا حوالہ دیں تو ہم نے ایڈورڈ گبن' فلپ کے حتی' امیر علی بنگالی اور ٹوائن بی کے نام گنوائے' اگرچہ ہم نے یہ کتابیں نہیں پڑھیں لیکن گمان غالب ہے کہ ان لوگوں نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہوگا' آخر اتنے نامی گرامی مؤرخین ہیں۔

اس موقع پر ماریانا نے ہم سے کہا کہ وہ بچپن ہی سے رپورٹر بننے کی آرزو رکھتی ہے اور ہم ازراہِ کرم اور بہ تقاضائے دوستی اپنے کزن سے اس کی سفارش کریں لیکن ہم نے اس ڈر سے کہ کہیں الاندرونی ماریانا کو اپنے دل کے اندرون میں گپت نہ کر دے سفارش نہیں کی اس سے صرف موسم پر گفتگو کی جبکہ ماریانا سے کہا کہ کزن نے معذرت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ تو اس کا بیورو چیف کر سکتا ہے تو فوراً بولی ''وہ کہاں ملے گا'' ہم نے کہا لندن میں' تو وہ خاموش ہوگئی۔ ماریانا کو ہاتھ سے کھونے کے خوف نے ہمیں اس چھوٹی سی دروغگوئی پر

مجبور کیا۔ ہم خاصے شرمندہ ہیں...... لیکن کاتب تقدیر نے اس کی جدائی کا صدمہ ہمارے مقدر میں تحریر کر رکھا تھا' چنانچہ ایسا ہو کر رہا۔ الاندرونی کے ہاتھوں نہ سہی بوجم منحوس و مردود کے ہاتھوں......

الشیخ بوجم بن بوطفلیقہ ایک ارب پتی عرب ہے جس کے سعودی عرب میں تیل کے کنوئیں ہیں خود ساختہ انسان ہے یعنی سیلف میڈ۔ از حد غریب اور گھٹیا خاندان سے تعلق رکھتا تھا' بس دولت کی سنہری بیٹر پاؤں تلے آ گئی۔ انتہائی بوجم انسان ہے اور شکل سے بھی بوجم ہی دکھائی دیتا ہے۔ اپنی یونانی معشوقہ کے ساتھ جبرالٹر کے ساحل پر اپنے ذاتی جہاز میں چھٹیاں منا رہا تھا' ہماری آمد کی خبر سنی تو بلوا بھیجا' ہم بھی مروت میں چلے گئے۔ عرشے پر اس کی محبوبہ وہ یونانی رقاصہ وہ زن فاحشہ انتہائی قدرتی لباس میں موجود تھی۔ ہم نے بہ چشم حیرت وعبرت اسے دیکھا' لیکن بوجم بد بخت کا اصرار تھا کہ ہم نے اسے بری نظر سے دیکھا۔ چلیں بری نظر سے ہی دیکھا' کوئی ہمیں سمجھائے کہ ایسی حالت میں موجود شوبز سے وابستہ کسی خاتون پر اچھی نظر ڈالی جا سکتی ہے؟ ملعون نے جہاز کے خلاصیوں کو حکم دیا کہ ہمیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا جائے۔ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان کی سیاحت کے دوران ہماری ایک سواٹھترویں بیوی شہزادی مالدیپ نے ہمیں تیراکی سکھا دی تھی ورنہ آج آپ ہمارا جدید سفرنامہ پڑھنے کی بجائے ہمارا نوحہ پڑھ رہے ہوتے۔ جان تو بچ گئی لیکن جان عزیز نہ بچ سکی۔ ارض ہسپانیہ پہ ہماری پہلی محبت ماریانا جہاز پر ہی رہ گئی ہم نہیں کہہ سکتے کہ اسے زبردستی روک لیا گیا یا اس نے خود آنے سے انکار کر دیا...... ہم حقیقت پسند انسان ہیں' دوسری صورت کے امکانات زیادہ ہیں۔

ترک کردن شہر آں بے وفا را افتادن بدست پولیس سفر یادگار کردن ہمراہ قافلۂ چسیاں

بوجم بن بوطفلیقہ کی بدتمیزی اور ماریانہ کی مبینہ بے وفائی نے ہمارے دل نادان وناتواں پر ایک صدمۂ عظیم چھوڑا' چنانچہ ہم نے اس بے وفا کے شہر لینی میڈرڈ کو ترک کرنے کا عزم بالجزم کر لیا۔ ہوٹل سے چیک آؤٹ ہوئے' بل کی ادائیگی پر کچھ کلمات تلخ و

تند کا تبادلہ ہوا' بد بخت ناشتے کے الگ پیسے وصول کر رہے تھے حالانکہ دنیا بھر میں ناشتہ کمرے کے کرایہ میں شامل ہوتا ہے۔

جہلا اور نامعقول لوگوں کے ساتھ ضرورت سے زیادہ تکرار خصوصاً جہاں اہانت جسمانی کے روشن امکانات ہوں ہمارے مزاج کے خلاف ہے' ہوٹل کا وہ گھناؤنا کلرک ایک بل فائٹر قسم کا شخص تھا چنانچہ بل ادا کر دیا' البتہ ویٹرز کے تمام فرشی سلاموں کے باوجود انہیں ٹپ سے محروم رکھا۔ اگرچہ یہ بد بخت ہمارے پانچ روزہ قیام کے دوران ضرورت سے زیادہ ٹپ وصول کر چکے تھے۔ ترک شہر کا فیصلہ چونکہ اچانک سرزد ہوا تھا اور کوئی منصوبہ بندی نہ کی گئی تھی چنانچہ بیک پیک کر کے شہر سے باہر جانے والی ایک شاہراہ پر چل کھڑے ہوئے۔ ہرے بھرے باغات اور تاکستانوں سے گھری یہ شاہراہ یورپ کی تکنیکی اور جمالیاتی مہارتوں کا حسین امتزاج ہے۔ نجانے ہم کتنی ساعتیں یا کتنے پہر بغیر دم لیے چلتے رہے۔ جب تھکن کا اچانک احساس ہوا تو رک کر جاتی ہوئی گاڑیوں کو انگوٹھا دکھانے لگے لفٹ کے لیے۔ سبھی گاڑیاں بغیر رکے زن سے گزرتی رہیں آخر ایک گاڑی رک ہی گئی۔ ہم سراپا تشکر اور مجسم مسکراہٹ بن کر ڈرائیور کی طرف بڑھے ہی تھے کہ گاڑی کے عقبی حصے میں سے دو افراد برآمد ہوئے جنہوں نے ہمیں بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور گاڑی کے اندر پٹخ دیا۔ اندر تین اور بیک پیکرز موجود تھے اور اس حال میں تھے کہ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ ہم حیران و پریشان تھے کہ یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے اور یہ اچانک ہمیں ہوا کیا ہے۔ یہ کیسی لفٹ ہے آخر یہ مسئلہ کیا ہے...... ان تین زنجیر بکف بیک پیکرز میں ایک ہم وطن بھی تھا جو ہمیں دیکھتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور سسکیاں بھرتا ہوا گویا ہوا۔

''یا سیدی یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ آپ جیسا عظیم سیاح اور مقبول سفرنامہ نگار اور پولیس کی تحویل میں' کاش میں یہ ذلت آمیز نظارہ دیکھنے سے پہلے ہی مر گیا ہوتا......''

جھوٹی مشرقی جذباتیت...... بہر حال اس سے ہماری حیرانی دور ہوئی اور ہم سمجھ گئے کہ ہم ہسپانیہ کی ظالم پولیس کی تحویل میں ہیں۔ حیرانی ختم ہوئی پریشانی بہر حال باقی رہی...... یورپ میں اطالیہ اور ہسپانیہ کی پولیس سب سے زیادہ غیر مہذب ہونے کی شہرتِ بد رکھتی ہیں۔

ہم نے ہم وطن سے دریافت کیا کہ آخران لوگوں نے ہمیں کس جرم میں پکڑا ہے۔

طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا ”لگتا ہے آپ کسی ملک کی سیاحت سے پہلے اس کے بارے میں سیر حاصل معلومات حاصل نہیں کرتے‘ آپ کو علم ہونا چاہیے کہ یورپی ممالک میں موٹر ویز پر لفٹ مانگنا جرم ہے اور یہ موٹر وے ہی ہے۔“

قارئین یہ طنزیہ مسکراہٹ‘ ایک طرح کا خبث باطن ہے جو اکثر عامتہ الناس معروف شخصیات کے خلاف رکھتے ہیں اور موقع پا کر ان کی تذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا انہیں ہدایت دے یا پھر غارت کرے۔ لیکن ہم نے اپنے جذبات کے سیل رواں کو قابو میں رکھا اور اس سے کہا ”اگر کسی سرزمین کے بارے میں پہلے سے پڑھ لیا جائے تو سیاحت کا آدھا مزہ غارت ہو کر رہ جاتا ہے۔ مارکو پولو نے مجھ سے کہا تھا کہ ”ہر نئی سرزمین میں اس طرح جاؤ گویا وہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ ہے اور تم کولمبس“۔

تب ہم نے ایک پولیس مین سے دریافت کیا کہ وہ ہمارے ساتھ ممکنہ طور پر کیا سلوک کریں گے۔ اس نے جواب دیا کہ ہمیں مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا جہاں ہمیں پانچ صد پیاسو جرمانہ عائد کیا جائے گا اور بصورت عدم ادائیگی پندرہ روز کی قید۔

ہم نے برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش اور دیگر سارک ممالک نیپال‘ مالدیپ اور بھوٹان کی سیاحت کے تجربات کی روشنی میں پولیس مین سے کہا

”سینور پولیس آفیسر‘ ہم پردیسیوں کو ستا کر تمہارے ہاتھ کچھ نہ آئے گا ماسوائے ہماری بددعاؤں کے۔ جرمانے کی رقم خزانہ عامرہ سرکاریہ میں چلی جائے گی جبکہ ہسپانوی پولیس کی تنخواہیں یورپ میں سب سے کم ہیں‘ ہم تو چاہتے ہیں کہ آپ ہماری دعائیں بھی لیں اور مالی فائدہ بھی آپ کو پہنچے۔“ پولیس والوں نے آپس میں سرگوشیاں کیں اور پھر ان کے ترجمان نے ہم سے کہا۔

”سینور تم نے عقل مندی کی بات کی ہے‘ دو سو پیاسو ادا کرو اور اگلے انٹرچینج پر اتر جاؤ‘ موٹر وے سے نکل جاؤ اور بغلی سڑک پر لفٹ کا شوق پورا کرو۔“

ہم نے فوراً دو سو پیاسو جیب خاص سے برآمد کر کے پولیس مین کی پھیلی ہوئی

ہتھیلی پر رکھ دیئے‘ تینوں بندیوں نے بھی سر ہلا کر اس شاندار حل کو قبول کرتے ہوئے آمادگی ظاہر کی۔ چنانچہ ان کی ہتھکڑیاں بھی کھول دی گئیں اور انہوں نے بھی دو سو پیاسو فی کس پولیس ویلفیئر فنڈ میں جمع کرا دیئے اور رہائی پائی۔ جب ہم بغلی سڑک پر پہنچے تو ہم وطن ہمارے ساتھ نتھی ہو گیا اور شرف ہم رکابی کا انتہائی شدت سے خواہش مند ہوا۔ ہم نے بہ مشکل اس لیچڑ سے جان چھڑائی۔ اسے سمجھایا کہ اگر ہم دونوں اکٹھے ہوئے تو احمق سے احمق اور مہربان سے مہربان ہسپانوی بھی ہمیں لفٹ دینے پر راضی نہ ہوگا لہٰذا ہمیں ایک دوسرے سے محفوظ فاصلے پر کھڑے ہو کر انگوٹھا آزمائی کرنا چاہیے۔ میں نے کئی گاڑیوں کو انگوٹھا دکھایا لیکن جواب میں بھی انگوٹھا ہی پایا۔ ہم مایوس ہونے لگے اور ٹیکسی کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنے لگے‘ لیکن ابھی آغاز غور ہی کیا تھا کہ گھوڑا گاڑیوں پر مشتمل جپسیوں کا ایک کارواں وہاں آ نکلا‘ ہم نے مزاحاً انہیں بھی انگوٹھا دکھا دیا ایک گاڑی ہمارے پاس آ کر رک گئی۔ گاڑی بان ایک انتہائی حسین و جمیل حور آسمانی تھی۔ ہم گھبرا گئے اور روایات مشرقیہ کے مطابق اس سراپا ناز کے ڈھول دھپے کے لیے خود کو تیار کر لیا‘ لیکن ہمیں اس وقت شدید خوشگوار حیرت سے دوچار ہونا پڑا۔ جب اس نے ہمیں گاڑی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا‘ ہم نے اپنا رک سیک عقبی حصے (گاڑی کے) میں پھینکا اور خود اچک کر اس کے پہلو میں بیٹھ گئے‘ اس نے دریافت کیا

”سینور کہاں“

ہم بولے ”سینوریتا جہاں سینور وہاں“

وہ مسکرا دی اور اس کے درہائے سفید جیسے دندانِ آز ہمارے دلِ ناداں پر قہر بے اماں ڈھا گئے...... کارواں دن بھر چلتا رہا اور ہم اس پری پیکر کی خوشبوئے بدن سے معطر ہوتے رہے۔

راستے میں ایک جگہ کارواں سپر کے لیے رکا۔ ہماری تواضع خمیری روٹی اور ایک خمیری مشروب سے کی گئی۔ دوران طعام ایک پیر فرتوت اور ایک مرد جواں نے ہماری مہربان بت طناز سے کسی غیر معروف زبان میں کچھ تکرار بھی کی لیکن ماریتا (ہماری حسین میزبان) نے بھی انہیں ترکی بہ ترکی جواب دیا اور ہم خاموشی سے دیکھا کیے کیونکہ زبان

یارمن ترکی دمن ترکی نمی دانم والا معاملہ تھا۔ بہر حال یہ بات واضح تھی کہ موضوع بحث اور وجہ تکرار ہم ہی تھے۔ وہ پیرو جواں بڑبڑاتے ہوئے دفع ہو گئے۔ اور اس ماہ رو نے ہمیں ایک مربیانہ مسکراہٹ سے نوازا جس کا مفہوم یہ تھا کہ جب تک تم ہماری مرمریں بانہوں کی پناہوں میں ہو بے فکر رہو کوئی تمہیں یہاں سے نہیں نکال سکتا۔

کارواں اب ایک کچے راستے پر مڑ گیا' اس حسینہ نے مجھ سے یہ بھی نہ پوچھا کہ تمہیں یہاں اتر کر کہیں آگے تو نہیں جانا' شاید اس لیے کہ میں کہہ چکا تھا ''سینوریتا جہاں سینوروہاں......''

راستے کے اطراف کھیت تھے' باغات تھے' تاکستان تھے اور تاکستانوں میں ہزار بادۂ نورستہ رگ ہائے تاک میں موجود تھے لہٰذا کارمغاں ابھی بہت زیادہ باقی تھا۔ سورج کوہ پائرنیز کی برف پوش چوٹی کے عقب میں غروب ہونے کو تھا کہ کارواں ایک میدان میں رک گیا۔ گھوڑوں کو گاڑیوں سے الگ کیا جانے لگا' چھکڑوں میں سے سامان اتارا جانے لگا۔ ہم بھی اپنی حسین رتھ بان کا ہاتھ بٹانے لگے جسے اس نے بے حد پسند کیا۔ خیمے نصب کیے جانے لگے۔ ایک اور مرد پیر جو زبان فرانسیسی بخوبی جانتا تھا (نیز ماریتا بھی) اور بے حد مہربان بزرگ تھا۔ ہم سے آ کر ملا' معلوم ہوا کہ حسینہ کا ماموں ہے' ہم بھی اسے ماموں کہنے لگے۔ اس نے بتایا کہ وہ آتش زیر پا نوجوان ماریتا کا منگیتر تھا جبکہ وہ پیر شیطان اس کا باپ تھا یعنی لڑکے کا' جبکہ لڑکی کے والدین ایک حادثے میں فوت ہو چکے تھے۔ ہم نے فوراً ماموں سے بہن اور بہنوئی کے انتقال پر ملال پر تعزیت کی اور فاتحہ خوانی کی۔ اس عمل کو وہ حیرت سے دیکھتا رہا۔ دست دعا منہ پر پھیرنے کے بعد ہم نے احتیاطاً سینے پر صلیب بھی بنا ڈالی۔

قصد کردن بہ سوئے کوہِ پائرنیز وملاقات عجیب بہ مولانا ڈابھیلوی

کوہِ پائرنیز کے دامن میں پہنچے تو کوہ پیمائی کی خواہش دل میں ابھرنے لگی۔ اگرچہ یہ کوئی اتنی بلند چوٹی نہیں اور ورلڈ رینکنگ میں تو کسی شمار وقطار میں نہیں آتی لیکن کیونکہ ہمارے موجودہ سفر وسیلۂ ظفر کی اولیں برف پوش چوٹی تھی لہٰذا ہم اسے سر کرنے پر

کمربستہ ہوئے۔ اگرچہ سفر برصغیر کے دوران بے شمار قلہ ہائے کوہ کی زیارت کی تھی اور وہ چوٹیاں درحقیقت فلک بوس تھیں لیکن ایک تو ان دنوں تسخیر قلہ ہائے کوہ کا رواج نہیں تھا اور دوسرے ہمیں شادیوں اور دیگر سرگرمی ہائے طبقہ اشرافیہ سے فرصت بھی کہاں ملتی تھی۔

جانِ عزیز ماریتا اور دانش مند ماموں فرنانڈس سے خواہش کا اظہار کیا تو دونوں نے ہی حوصلہ افزائی کی اور ماریتا تو ہم سفری پر بھی آمادہ ہو گئی۔ جوانِ آتش زیر پا اور پیر میر غضب نے بھی ہماری خواہش کو جرأت اور مردانگی کی انتہا قرار دیا بشرطیکہ ہم تن تنہا چوٹی سر کریں اور کوئی اور ہمارے ساتھ نہ ہو۔ ماریتا تو ہرگز نہ ہو' لیکن ماریتا کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی اور دونوں سازشیوں اور حاسدوں کو منہ کی کھانا پڑی۔

القصہ مختصر زادِ راہ مہیا کیا جانے لگا۔ ماریتا نے کیک تیار کیے پنیر بنایا۔ انڈے ابالے' ماموں کی وائن کی تخمیر آخری مرحلے میں تھی (وائن میں نبیذ سے تھوڑی سی زیادہ الکحل ہوتی ہے' سرد موسم خصوصاً بلند پہاڑوں میں انسانی صحت وسلامتی کے لیے ایک ناگزیر شے ہے' لہٰذا اسے دوا کے طور پر ساتھ لے جانا ضروری تھا)۔ خیمہ ہمارے پاس موجود تھا' ماریتا نے اپنا سلیپنگ بیگ لے لیا۔ سامان پیک ہوا اور ہم رک سیک باندھ کر روانہ ہوئے۔ روانگی سے قبل بعض انتہائی دلچسپ خاص جپسی رسوم ادا ہوئیں۔

ماموں نے ایک سیاہ مرغے کا جھٹکا کر کے اس کا خون ہماری پیشانیوں پر لگایا (مرغ ماموں نے کل ہی قریبی فارم سے چرایا تھا)۔ دو انڈے زمین پر عموداً رکھے گئے اور ہمیں ٹکر مار کر انہیں توڑنے کو کہا گیا (انڈے ماریتا کی ذاتی مرغی کے تھے)۔ دو سفید گدھوں کی دموں کے ساتھ ٹین کے ڈبے باندھ کر انہیں دوڑایا گیا۔ چار سیاہ کتوں کی دموں میں کریکر باندھ کر انہیں دیا سلائی دکھائی گئی۔ ہم دونوں کو تیس قدم تک مینڈکوں کی طرح پھدک کر چلنے کو کہا گیا۔ اس دوران قبیلے کے سبھی مرد وزن اور پیرو جواں ناچتے رہے اور تالیاں بجا کر اولے اولے کہتے رہے۔

برصغیر میں ہمارا ان سے کہیں زیادہ جاہلانہ رسوم سے پالا پڑا تھا بلکہ جزیرہ انڈیمان میں تو ہماری ایک شادی کے دوران ہمیں گدھی کے دودھ اور مینڈھوں کے خون سے نہلایا گیا تھا اور ہم دونوں عروس اور عروسہ کو کیلے کے پتوں کا لباس پہنا کر ہم پر بکریاں

چھوڑ دی گئی تھیں۔

ہم نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی آغازِ سفر کیا تھا اور جب آفتاب عالمتاب نصف النہار پر پہنچے تو کچی سڑک کا خاتمہ بالخیر ہوا اور ایک تنگ پگڈنڈی نے اس کی جگہ بطریق احسن سنبھال لی۔ ہم مسلسل چلتے رہے' خنک اور تروتازہ ہوا کے سبک جھونکے ہمیں گدگدا رہے تھے۔ ہمارے اطراف تا حد نظر سبزے کی بے داغ چادر بچھی تھی' گلہائے رنگا رنگ سے مزین بوقلموں جھاڑیوں میں طائران خوش نوا نغمہ سرا اور مرغان خوش ادا رقص کناں تھے اور ہم ماریتا کے دست حنائی کو مضبوطی سے تھامے سوئے منزل بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ عصر کے وقت ایک گاؤں میں رکے یہ پائرنیز کے دامن میں واقع آخری انسانی آبادی تھی۔ پندرہ بیس گھر' ایک بار کم ڈسکو کم گردسری سٹور اور ایک کلیسا۔ کلیسا خاصا قدیم تھا اور گوتھک کی بجائے عربی انداز تعمیر رکھتا تھا اور ایک مینار سے بھی مزین تھا۔ ہمارے دل نے گواہی دی کہ یہ اندلس کی عظیم سلطنت کی نشانی ہے۔ ہماری دونوں آنکھیں بھیگ گئیں' بھیگ کیا گئیں ابل پڑیں' پانی کے گھر بن گئیں' ماریتا سے ہم نے آنسو چھپانے کی بہت کوشش کی لیکن اس سیل بے پناہ کو جس کے آگے گردوں کف سیلاب تھا' کیسے چھپا پاتے اس نے دیکھ لیا اور مشوش ہو کر بولی ''جان تم ٹھیک ہو''۔ ہم بھی بات بدلنے کے ماہر ہیں' ہم نے کہا

''ماریتا ہماری آنکھوں میں غور سے جھانکو...... دیکھو ان کے اندر کیا ہے؟''

وہ بولی ''پانی ہے اور میرا عکس ہے''

ہم نے کہا ''واہ...... تم اشک بن کے مری چشم تر میں رہتے ہو
عجیب شخص ہو پانی کے گھر میں رہتے ہو

اس کی تشویش میں مزید اضافہ ہو گیا' بولی

''طوطا جان کچھ دیر آرام کر لو تم شاید بہت تھک گئے ہو' یہیں خیمہ لگا لیتے ہیں اور ہاں تمہارے رک سیک میں ماموں کے ہاتھ کی بنی خصوصی وائن موجود ہے تھوڑی سی پی لو فریش ہو جاؤ گے۔''

چنانچہ ہم نے خیمہ نصب کیا' چند گھونٹ وائن کے لیے' ماریتا نے ہمارے سر پر عجز کا اپنی نازک اور فنکار انگلیوں کے ساتھ مساج کیا...... کوہ پائرنیز کی برفوں کی قربت

میں آخری انسانی آبادی کی واحد تاریخی عمارت کے زیر سایہ ایک خیمہ اور محبوب کی سیاہ عطر بیز زلفوں کی چھاؤں کیا اس سے بڑھ کر کوئی نعمت کائنات میں میسر آ سکتی ہے...... اولے اولے اولے...... سفر وسیلہ ظفر ہوتا ہے' اولے اولے اولے...... ہمارے اعصاب پرسکون ہوتے گئے اور ہم نیند کی پرسکون وادی میں کھوتے گئے اولے اولے اولے...... ایک مسکراتی پہاڑی وادی' گنگناتی آبشاریں' سنساتی ہوا' لہلاتا سبزہ' بے شمار پریاں اور ان کی کھنکھناتی ہنسی...... پریوں نے اپنی دراز زلفوں کو ملا کر گرہیں لگا کر ایک جھولا بنایا اور ہم اس جھولے میں جھول رہے تھے اور ارد گرد پریاں ناچتی تھیں اولے اولے اولے اولے اول اولے......

اچانک مانوس مگر کرخت آوازوں کے شور سے ہماری آنکھ کھل گئی' ماریتا اپنا سلیپنگ بیگ بچھائے ہمارے پہلو میں محوخواب تھی' ہم اس حسن خوابیدہ کے نظارہ میں محو ہو گئے۔ وہ آوازیں بدستور آ رہی تھیں' پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر چھ افراد ایک دری بچھائے بڑے بڑے سردے کاٹ کر کھا رہے تھے اور بزبانِ اردو گپ شپ کر رہے تھے۔ ہم ان کی طرف بڑھے یہ برصغیر کے لوگ تھے کرتوں پاجاموں اور دو پلی ٹوپیوں میں ملبوس متشرع چہرے...... ان کی نگاہیں بھی ہم پر جم گئیں' ایک چہرہ ہمیں شناسا سا بلکہ آشنا لگا' اس کی آنکھوں میں بھی پہلے حیرت اور پھر شناسائی نظر آئی اور وہ اٹھ کر بے تابانہ ہماری طرف بڑھا اور ہمارا سیل جذبات بھی اس کی طرف امڈا چلا گیا...... یہ مولانا ڈابھیلوی تھے' مدراس کے رہائشی' ہمارے عزیز دوست اور انہیں یہ سعادت حاصل تھی کہ وہ مجھ احقر کو چار بار حبالہ عقد میں باندھ چکے تھے یعنی ہمارا نکاح مسنونہ پڑھ چکے تھے دو بار مالدیپ میں اور دو ہی بار ہند میں' ہم نے چیخ کر کہا...... اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا

انہوں نے شعر مکمل کر دیا...... بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

ہم باہم پرجوش معانقہ کر رہے تھے' گلے مل رہے تھے ایک دوسرے کو بھینچ رہے تھے اور ایک دوسرے کے بوسے لے رہے تھے' ہماری آنکھیں پرنم تھیں اور باقی حضرات بچشم حیرت یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اسی دوران ماریتا خیمے سے نکل آئی۔ مولانا نے اسے دیکھا اور بولے

''تمہاری منکوحہ محترمہ ہسپانوی ہیں''۔

''نہیں یہ میری منکوحہ نہیں'' میں نے جواب دیا۔

''تو کیا ممتوعہ ہیں۔''

''نہیں مولانا'' میں نے کہا ''یہ میری گرل فرینڈ ہے' ہم بس ساتھ رہتے ہیں۔''

''نکاح پڑھ دوں باندھ دوں حبالۂ عقد میں۔''

''نہیں مولانا کون مستقل روگ پالے۔''

''برصغیر میں تو دوسو کے قریب پالے تھے۔''

''یہ یورپ ہے حضرت' ایشیا نہیں کہ جب جی چاہا طلاق طلاق طلاق کہہ کر جان چھڑالی' یہاں یہ حق بھی عورت کے پاس ہوتا ہے اور عقدِ ثانی قابل دست اندازئ پولیس جرم ہے''۔

''خدا انہیں ہدایت دے' صراط مستقیم سے بہت بھٹکے ہوئے لوگ ہیں۔''

''لیکن مولانا آپ یہاں کیسے' ظاہر ہے پائرنیز سر کرنے تو نہیں آئے ہوں گے۔''

''نہیں میں تو ایک تبلیغی جماعت کے ساتھ آیا ہوں۔ معلوم ہوا اس علاقے میں ایک ایسا قدیم کلیسا ہے جو مسجد ہوا کرتا تھا تو زیارت کے لیے چلے آئے۔''

اس دوران ماریتا پاؤں پٹختی خیمے کے اندر چلی گئی۔ میں نے دیگر مولاناؤں سے مصافحہ کیا' سبھی مجھے جانتے تھے' اکثر نے میرا سفرنامہ پڑھ رکھا تھا اور میری مہمات خاص طور پر مہمات عروسی سے بے حد متاثر تھے اور میری پیروی کرنا چاہتے تھے لیکن ...... ایں سعادت بزور بازو نیست۔ میں نے ان سے گزارش کی کہ ''آپ لوگ تشریف رکھیے میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتا ہوں۔''

خیمے میں آیا تو ماریتا نے منہ پھلا رکھا تھا۔

''کیا ہوا سرکار' مزاج برہم دکھائی دیتا ہے۔''

''وہ داڑھی والا ایشین تمہارا بوائے فرینڈ تھا۔''

''کم آن ماریتا کیسی باتیں کر رہی ہو' وہ ایک انڈین مسلم پریسٹ ہے جو مجھے سیاحت ہند کے دوران ملا تھا۔''

''لیکن تمہارا ایک دوسرے سے ملنے کا انداز''

''اوہ ماریتا ڈیئر یہ خالص مشرقی انداز ہے اور پھر اس شخص نے تو مجھے چار بار ...... چار بار ہندوستانی پولیس سے بچایا تھا' میں اس کا احسان مند ہوں۔''

''تم سے ہندوستان میں چار بار کیا جرائم سرزد ہوئے تھے۔''

''تم مجھے جانتی ہو جان' میں کوئی جرم بھلا کیسے کر سکتا ہوں' دراصل ہندوستانی پولیس پیسے بنانے کے چکر میں کسی کو بھی پکڑ کر آئی ایس آئی کا ایجنٹ' میرا مطلب ہے پاکستانی جاسوس بنا دیتی ہے...... جان تم اجازت دو تو میں ان لوگوں کو چائے بنا کر پلا دوں' دراصل میں ان کو آفر کر چکا ہوں۔''

''بنا لو ایک کپ مجھے بھی پلا دینا۔''

ماریتا بدستور منہ پھلائے سلیپنگ بیگ میں گھس گئی' میں چولہا' کیتلی اور دیگر لوازمات لے کر خیمے سے باہر آیا اور چائے بنا کر مولاناؤں کے پاس چلا گیا۔ چائے پیتے پیتے مجھے خود بخود ہی ہنسی کا ایک دورہ پڑا۔ مولانا ڈابھیلوی نے دریافت کیا۔

''کس بات پہ ہنسی آ رہی ہے دوست۔''

''ماریتا کہتی تھی'' میں نے جواب دیا ''کہ یہ ڈاڑھی والا ایشین تمہارا بوائے فرینڈ ہے''۔

''ہم تو ہر وقت حاضر ہیں طوطا جان۔''

مولانا ڈابھیلوی نے سازشی مسکراہٹ کے ساتھ کہا' آپ بے حد خوش مزاج انسان ہیں۔

سرکرون قلۂ کوہ پائرنیز را' آشکار شدن رازِ ماماو بشکست دوچار کردن پلنگ برفانی را

علی الصباح کہ جب غارت گرانِ شب' ہراولانِ سحر کے خوف سے پسپا ہو کر بھاگے' ہم کمر ہمت کس کے اور کیک و کافی سے لذتِ کام و دہن کر کے راہِ دشوار و پرخار پر چل پڑے...... شاہِ خاور ابھی سپہرِ افق پہ جلوہ فگن نہ ہوئے تھے کہ ہم اپنی رات والی خیمہ گاہ سے بقدر پانچ صد میٹر بلند ہو چکے تھے۔ جسموں میں چھید کرنے والی سرد ہوا تھی اور ایک

ازلی وابدی سکوت تھا‘ کسی طائر آوارہ تک کی بھی کوئی بھٹکتی صدا نہ سنائی دیتی تھی‘ ہم بلند ہوتے چلے جارہے تھے‘ ہمارے قدوم میمنت لزوم تھے اور ایک ضدی پگڈنڈی تھی جو مسلی جاتی تھی ......اور جب صبح دم دروازۂ خاور کھلا اور مہرِ عالمتاب کا منظر کھلا......تو ہم اس قدر بلند ہو چکے تھے کہ نیچے آبادی کے مکانات اور کلیسا وغیرہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ اگرچہ ہمارے قلوب کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں اور سانسوں کی آمدورفت بھی معمول سے کئی گنا زیادہ تھی مگر ہم بغیر رکے اور بنا دم لیے بڑھتے چلے جارہے تھے۔ ایک پہاڑی موڑ مڑے تو سامنے ایک جنت گم گشتہ نظر آئی‘ کالج کے دنوں میں پڑھی ہوئی ملٹن کی ”پیراڈائز لاسٹ“ یاد آ گئی ہم نے اس کے کئی اقتباسات ماریتا کو سنا ڈالے لیکن وہ وادی کے حسن میں اس قدر کھوئی ہوئی تھی کہ اس نے ان میں کوئی دلچسپی نہ لی......اور اس جنت گم گشتہ میں کیا تھا‘ حدِنظر تک سبزے کا ایک مخملیں قالین تھا جس میں بے شمار رنگوں کے پھولوں کے پیوند لگے ہوئے تھے اور اس کے وسط میں ایک منحنی سی لاجوردی لکیر تھی۔ ماریتا نے میرا بازو تھام کر کہا ”ڈیئر کیا ضروری ہے کہ چوٹی پہ پہنچا جائے کیوں نہ اس جنت میں آج رات گزاری جائے۔“

میں نے کہا ماریتا ابھی تو آغاز سفر ہے اور آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے‘ عین ممکن ہے کہ آگے اس سے بھی کہیں زیادہ حسین مناظر دیکھنے کو ملیں۔ لیکن وعدہ رہا کہ واپسی پہ ایک رات یہاں کیمپ کریں گے۔

وادی کے آخری سرے پر جہاں وہ لاجوردی ندی آبشار کی مانند وادی میں گرتی تھی ہم لنچ کے لیے رکے۔ لنچ میں ٹھنڈا پیزا‘ ابلے ہوئے انڈے اور ماموں میڈ وائن تھی۔ میں نے ماموں کا جامِ صحت تجویز کیا وائن کے گھونٹ لیتے ہوئے میں نے ماریتا سے کہا۔

”ماریتا ڈیئر‘ ماموں کس قدر عظیم انسان ہیں۔ تمہارے تمام قبیلے کی مخالفت کے باوجود انہوں نے مجھے یوں تحفظ دیا جیسے مرغی اپنے بچوں کو پروں کے نیچے چھپا لیتی ہے‘ میں اپنے سفرنامے کا انتساب ماموں فرنانڈیس کے نام کروں گا۔“

ماریتا کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے‘ اس نے اپنی مرمریں بانہیں میری

گردن میں حمائل کیں اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”طوطو جان تم کتنے معصوم ہو‘ حقائق بالکل برعکس ہیں‘ ماموں ایک لٹیرا اور جرائم پیشہ شخص ہے‘ تم مجھے اچھے لگے‘ تمہارا ایک جپسی چھکڑے کو اشارہ کر کے لفٹ لینے کا انداز مجھے بھا گیا اور میں تمہیں دل دے بیٹھی اور میں نے تمہیں اپنے پہلو میں جگہ دے دی‘ ماموں نے اسی وقت سازش کے تانے بانے بننے شروع کر دیے۔ اس نے مجھے کہا کہ ان موروں کے پاس بہت دولت ہوتی ہے تم اس کے قریب ہو جاؤ اور اس کا اعتماد حاصل کر کے نقدی‘ ٹریولرز چیک اور دیگر بیش قیمت اشیاء کے بارے میں معلومات حاصل کرو......اور پھر جب تم نے پائرنیز جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو ماموں بے حد خوش ہوا۔ پائرنیز کی چوٹی سے اترتے ہوئے دوسری طرف ایک قدرتی کنواں ہے جس کی تھاہ کوئی نہیں جانتا‘ ماموں چاہتا تھا کہ میں تمہیں کسی طرح اس کنوئیں میں دھکیل دوں۔“

”ماریتا تم بھی۔“

”نہیں طوطو جان‘ میں تو صرف اس لیے ماموں کی ہاں میں ہاں ملاتی گئی کہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔ میں مناسب موقع کے انتظار میں تھی کہ تمہیں صورتحال سے آگاہ کروں۔ اب ہم پائرنیز کی دوسری طرف اتریں گے اور فرانس چلے جائیں گے جہاں وہ ظالم انسان ہمارا کچھ بگاڑ نہیں پائے گا۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں اور تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں اور تمہارے وطن جانا چاہتی ہوں‘ میں خاتون خانہ بنوں گی‘ ہمارے ڈھیر سارے بچے ہوں گے۔“

میری آنکھیں بھی ڈبڈبا گئیں شدت جذبات سے‘ مہر و وفا جیسی خصوصیات کچھ اقوامِ مشرق کا ہی خاصہ نہیں‘ اقوامِ مغرب میں بھی ماریتا جیسی وفا کی دیویاں پائی جاتی ہیں۔ ہم اسے گلے لگا کر خوب روئے۔ اے کاش ماریتا نے یہ سب کچھ کل بتا دیا ہوتا تو ہم ایک بار پھر مولانا ڈابھیلوی کی عظیم خدمات سے استفادہ کر لیتے اور تاریخی مسجد ثم کلیسا میں تقریبِ نکاح منعقد ہوتی جو ایک عالمی ریکارڈ ہوتا۔

خیر ہم نے ایک دوسرے کی اشک شوئی کی‘ مراد آنسو پونچھے اور پھر سوئے منزل چل پڑے۔ پگڈنڈی قلۂ کوہ کی برفوں تک جاتی تھی اور جہاں پگڈنڈی کا اختتام اور برفوں کا آغاز ہوتا تھا وہیں ہم نے خیمہ لگانا تھا۔ سو جہاں سے برفوں کا آغاز ہوا وہاں ہم نے اپنا

سامان رکھا اور خیمہ استادہ کیا۔ ساز و سامان خیمے میں محفوظ کرنے کے بعد ہم انتہائی احتیاط کے ساتھ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے برفوں پر چلتے گئے اور نصف ساعت سے بھی کم وقت میں پہاڑ کے بلند ترین مقام پر پہنچ گئے جہاں ہم نے سپین اور مراکو کے پرچم برف میں نصب کیے اور باہم بغل گیر ہوئے۔ جو منظر ہم نے وہاں سے دیکھا وہ دنیا کا دوسرا خوبصورت ترین منظر تھا' پہلا خوبصورت ترین منظر طنجہ کے نواح میں ہمارے گاؤں کے تالاب کا منظر ہے جہاں گاؤں کی لڑکیاں اپنی بھیڑیں نہلاتی ہیں اور جہاں ہم نے اپنا اولیں عشق کیا تھا جو ناکام رہا تھا۔ بعدازاں سینکڑوں بار کیا اور تقریباً ہر بار ہی کامیابی نے ہمارے قدم چومے۔

ہم ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے نیچے اترنے لگے اور جیسے ہی سورج غروب ہوا ہم اپنے خیمے کی گرمی میں آسودہ ہو گئے یا یوں کہیے کہ خیمے کی آسودگی میں گرم ہو گئے۔ کچھ دیر ستانے کے بعد ہم نے جشن فتح منایا۔ میری خرید کردہ بیئر سے ایک دوسرے کے جام کو صحت تجویز کیے' ماریتا کے دست خاص کا بنا ہوا دنیا کا لذیذ ترین کیک کاٹا۔ سازشی ماموں پر لعنت بھیجی اور اس کی کشید کردہ وائن نیچے کھائی میں پھینک دی۔ جب میں منحوس ماموں کی ملعون وائن کو واصل جہنم کر کے واپس آ رہا تھا تو مجھے کسی جانور کے پنجوں کے نشانات نظر آئے' میں نے ان پر غور کیا تو وہ خیمے کے اطراف میں موجود تھے۔ یہ پگ مارکس اوپر برفوں سے اتر رہے تھے اور نیچے کھائی میں جا رہے تھے۔ یہ یقیناً سنو لیپرڈ یعنی برفانی شیر تھا۔ میں نے اس کا تذکرہ ماریتا سے نہیں کیا' عورت ذات تھی خوفزدہ ہو جاتی لیکن دل ہی دل میں تہیہ کیا کہ رات بھر جاگوں گا اور اس ظالم برفانی درندے کا جوانمردوں کی طرح سامنا کروں گا۔ قریب ہی مجھے ایک درخت کا خشک تنا دکھائی دیا میں اسے اٹھا کر لایا اور الاؤ روشن کیا۔ ماریتا نے نوڈل سوپ بنایا جو ہم نے الاؤ پر بیٹھ کر مزے سے پیا۔ یہ میری زندگی کا یادگار ترین اور لذیذ ترین نوڈل سوپ تھا۔ آسمان ستاروں سے بھر گیا تھا' بے شمار اور بے انت ستارے تھے اور انتہائی روشن تھے۔ ماریتا کی خواہش تھی کہ آگ بجھا دی جائے تا کہ مکمل تاریکی ہو جانے پر ستارے زیادہ روشن دکھائی دیں لیکن میں چاہتا تھا کہ الاؤ جلتا رہے کیونکہ مجھے علم تھا کہ درندے آگ سے ڈرتے ہیں۔ میں نے خطرے کا احساس دلائے بغیر اپنی چرب زبانی

سے ماریتا کو الاؤ جلتے رہنے پر قائل کر لیا۔ میری دلیل تھی کہ یہ آگ ہماری محبت کا پہلا الاؤ ہے اور اسے زرتشتیوں کی مقدس آگ کی طرح جلتے رہنا چاہیے کم از کم صبح تک تو جلتے رہنا چاہیے۔

ماریتا نے الاؤ کے گرد جپسی خانہ بدوشوں کا مخصوص رقص زامبرا پیش کیا اور ہم تالیاں بجا کر اولے اولے اولے کہتے رہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اولے دراصل عربی کا واللہ ہے اور یہ بھی سپین میں عرب سلطنت کی ایک نشانی ہے...... ذرا طائر تصور کو بال و پر لگا کر قوت پرواز بخشیے' ایک برفانی چوٹی کی برفوں سے ذرا نیچے اکیلا خیمہ' واحد الاؤ' تاروں بھرا آسمان......صرف دو انسان......ایک جپسی حسینہ اور ایک جواں مرد مسلمان اور وہ مثل پری پیکر کوہ قاف دوشیزہ رقصاں......اولے اولے اولے اولے اولے اولے......جب ماریتا تھکن سے دوچار ہوئی تو ہماری بانہوں میں سما گئی اور ہمیں کشاں کشاں لیے خیمے میں آ گئی...... اولے اولے اولے......ہم نے اسے تھپک تھپک کر سلا دیا اور خود جاگتے رہے کیونکہ ہماری حس ششم پکار پکار کر کہتی تھی کہ وہ برفانی شیر جو ہماری عدم موجودگی میں خیمے کا سروے کر کے گیا ہے ضرور لوٹے گا......اور ایسا ہی ہوا' کوئی نصف شب کا عالم تھا' الاؤ بجھ چکا تھا ہر سو تاریکی تھی' سناٹا تھا' ہوا بھی دم سادھے ہوئے تھی اور دبے پاؤں چلتی تھی' کبھی کبھی کسی جھینگر کی آواز اس ازلی و ابدی سکوت کی دبیز چادر میں سوراخ کر دیتی تھی۔ ہمیں آہٹ سی سنائی دی جو خیمے سے محض چند میٹر کے فاصلے پر تھی اور پھر کسی جنگلی بلے کی سی غراہٹ کی آواز...... گویا ہمارا گمان سچ تھا' شیر ہی تھا اور وہ بھی شیر نر' ہمارا واحد ہتھیار کیک کاٹنے والی چھری تھی' ہم نے اس کے دستے پر اپنی آہنی گرفت مضبوط کی اور خیمے کی زپ کھولی۔ ہمیں یاد آیا کہ ہمارے پاس ایک سوئس آرمی نائف بھی ہے جو خاصا تیز دھار ہوتا ہے۔ ہم نے وہ بھی جیکٹ کی جیب سے نکال کر اس کا پھل عریاں کر لیا' اب ہم دونوں ہاتھوں میں برہنہ تیز دھار ہتھیار تھامے شیر کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھے۔ باہر نکل کر ہم نے خیمے کی زپ بند کی' خیمے کو حفاظتی آڑ کے طور پر پشت کی طرف رکھا اور پھر چاقو لہرائے' سامنے کسی جانور کا ہیولا نظر آیا......ایک چھوٹا شیر' سنو لیپرڈ ہندوستانی یا افریقی شیر کی نسبت جسامت میں بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ کسی بڑے بلے جتنا لیکن بہت ہوشیار' تیز رفتار' مکار۔ ہم چند قدم اس کی سمت

بڑھے لیکن وہ ہیولا غائب ہوگیا' ہم نے پھر چند قدم پیچھے ہٹ کر خیمے سے پشت لگالی' جیکٹ کی جیب میں سے ٹارچ نکالی اور روشنی چاروں طرف پھینکی تو ایک جھاڑی کے پیچھے سے دو روشن اور انگارہ آنکھیں نظر آئیں' چالاک درندہ جھاڑی کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔ ہم جانتے تھے کہ جارحیت ہی بہترین دفاع ہے چنانچہ حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ ٹارچ بجھا کر جیب میں ڈال لی سوئس آرمی نائف بائیں ہاتھ میں رکھا اور دائیں ہاتھ سے درندے کے پناہ گاہ یعنی اس جھاڑی پر پتھروں کی بوچھاڑ کر دی۔ ایک دردبھری غراہٹ سنائی دی اور اس نے راہِ فرار اختیار کی۔ گھاس اور جھاڑیوں میں پیدا ہونے والی سرسراہٹیں اس کی تیز رفتار پسپائی کی گواہی دے رہی تھیں۔ ہم نے چند قدم اور اس کا تعاقب کیا اور کچھ مزید پتھر اس کی طرف پھینکے' لیکن ہمیں جلد ہی اپنی تعاقب کی مہم ترک کرنا پڑی کیونکہ تاریکی کی وجہ سے ہمارے کھائی میں گرنے کے روشن امکانات تھے۔ اب ہمیں یقین ہوگیا تھا کہ درندے کو ناقابل فراموش سبق مل چکا ہے اور اس کے حوصلے پست ہو چکے ہیں اور اب وہ کبھی نہ لوٹے گا' چنانچہ ہم نیند کی آغوش میں سما گئے۔

بعدازاں جب اس واقعہ کا ہم نے لوگوں سے تذکرہ کیا تو انہوں نے اس کی صحت سے سراسر انکار کیا' ان کی بودی دلیل یہ تھی کہ سپین کے پائرنیز میں کوئی شیر نہیں پایا جاتا' البتہ جنگلی بلے اس علاقے میں بکثرت موجود ہیں' کیا ہم اس قدر احمق اور بوجم ہیں کہ شیر اور بلے میں تمیز نہیں کر سکتے اور اگر سپین میں کوئی شیر نہیں پایا جاتا تو کیا وہ باہر سے بھی نہیں آ سکتا۔ آخر ہم بھی تو سپین میں نہیں پائے جاتے ہم تو آ گئے۔ اور پھر شیر کیا پاسپورٹ بنوائے گا اور ہسپانیہ کے سفارتخانے میں ویزا لگوانے آئے گا۔

ایک چیتھڑے اخبار نے تو کارٹون بھی چھاپا جس میں ہم ہاتھ میں فٹ بھر لمبا چھرا لیے ایک معصوم سی بلی کی لاش پر پاؤں رکھے تن کر کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ سب حاسدین ہیں' خدا انہیں غارت کرے۔

رافٹنگ در دریائے وادی الکبیر' حملۂ خرس دیوانہ و سانحہ جدا شدن ماریتا

ہماری شدید خواہش تھی کہ فرانس جانے سے قبل ہم مدینۃ الزہرا اور قرطبہ کی

زیارت سے فیض یاب ہولیں' ماریتا بار بار ہم پر زور دیتی تھی کہ ہمیں جلد از جلد ہسپانیہ سے نکل جانا چاہیے لیکن ہم اپنے ماضی کے مزاروں کی زیارت کی خواہش سے دستبردار نہ ہونا چاہتے تھے جس کی بھاری قیمت ہمیں ادا کرنا پڑی۔ پائرنیز کی دوسری طرف اترنے کے بعد ہم قرطبہ کی سمت کھنچے چلے گئے' جب ہم دریائے وادیُ الکبیر کے کنارے پہنچے تو وہاں ہم نے کچھ رافٹیئر ز دیکھے جن سے ہم بے حد متاثر ہوئے اور فیصلہ کیا کہ مدینۃ الزہرا کے نواح تک کا باقی سفر رافٹ ہی میں کریں گے۔ اس بارے میں ماریتا کے کچھ تحفظات تھے' آپ جانتے ہیں کہ یہاں کے جپسی پانی سے بہت خائف رہتے ہیں نہ صرف دریاؤں اور ندیوں سے بلکہ شاور سے بھی' چنانچہ نہاتے بھی خاص مواقع پر ہیں' لیکن ماریتا کے بدن کو قدرت نے ایسی مہک سے نوازا تھا جو پسینے وغیرہ کی بو پر حاوی ہو جاتی تھی۔ بہرحال ہم نے ایک استعمال شدہ رافٹ خرید لی۔ کرائے کی رافٹ بھی تقریباً اسی مول پڑتی جبکہ سیکنڈ ہینڈ رافٹ کا ایک فائدہ یہ تھا کہ بعد میں معمولی خسارے کے ساتھ فروخت بھی کی جا سکتی تھی۔ وادی الکبیر کوئی اتنا بڑا دریا نہیں' نیل' سندھ یا گنگا جمنا جتنا' پرسکون بہتا تھا لیکن بہرحال دریا تھا اور دریا اپنے شانت سینوں میں ہمہ وقت طوفان چھپائے رہتے ہیں' قدیم شہر ملتان میں ایک کہاوت سنی تھی کہ کوے' کتے' ہندو اور پرسکون دریا پہ کبھی اعتبار نہ کرنا چاہیے۔

ہمارے اطراف سبزہ زار و چمن زار تھے' ہوا سبک روی سے چل رہی تھی' رافٹ دریا کی شانت سطح پر ہلکورے لیتے بہہ رہی تھی۔

گاڑی کو چلانا بابو ذرا ہلکے ہلکے
کہیں دل کا جام نہ چھلکے
دل کا جام کہیں نہ چھلکے

اور رافٹ میں دربغلیں یک دیگر ہم دونوں یک جان و دو قالب۔ شام ہوئی تو دریا کنارے ایک سبزہ زار میں کیمپ کیا۔ کیمپ فائر ہوا' دو جوڑے اور بھی تھے۔ تینوں حسیناؤں کا رقص اولے اولے اولے اولے......

دوسرے روز صبح ایک ساتھی رافٹیئر نے بتایا کہ اس نے رات کو ہمارے خیمے کے قریب دو ہیولے دیکھے اور انہیں للکارا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں نے کہا "ہوں

گے کوئی چورا چکے آوارہ گرد' تو وہ بولا ''عجیب بات ہے وہ کچھ بھالوؤں جیسے لگتے تھے'' میں نے ہنس کر ٹال دیا۔

ناشتے کے بعد جب رافٹیں دریا میں ڈالی جانے لگیں ہم نے دانستہ کچھ تاخیر کی اور دوسروں سے نصف ساعت بعد روانہ ہوئے کیونکہ ہم تنہائی چاہتے تھے۔ قریب ایک ساعت کے پرسکون سفر کے بعد دریا ایک نسبتاً تنگ چٹانی درے میں داخل ہوتا تھا' دریا کے دونوں کناروں پر انتہائی گھنا جنگل تھا۔ پانی کی رفتار میں اضافہ ہو گیا تھا اور رافٹ انتہائی سرعت کے ساتھ بہے جا رہی تھی۔ دفعتاً دریا کے وسط میں ایک چٹان نمودار ہوئی' ہم نے زور لگا کر رافٹ کو کنارے کی طرف دھکیلنے کی کوشش کی' پانی کے ایک دھارے نے بھی ہماری مدد کی جو چٹان سے ٹکراؤ کی وجہ سے کنارے کی سمت مڑ جاتا تھا۔ اس مصیبت سے تو بچ گئے لیکن جونہی ہم کنارے کے نزدیک پہنچے تو ہم پہ قیامت ٹوٹ پڑی۔ دو عظیم الجثہ خرس ہائے سیاہ دھم سے ہماری رافٹ پر کود پڑے جس طرح اردو شاعر اپنی محبوب کی چھت پہ کودتا ہے۔

کودا یوں تری چھت پہ کوئی دھم سے نہ ہوگا
جو کام کیا ہم نے وہ رستم سے نہ ہوگا

لیکن یہ کوئی رستم وسہراب نہ تھے دو کیم شیم جناتی سائز کے بھالو تھے' رافٹ غیر متوازن ہو کر الٹ گئی' ڈوبی اور پھر ابھری' ہم نے ابھری ہوئی رافٹ کا سہارا لینے کی سعیٔ لاحاصل کی' سعی تو کامیاب ہو جاتی مگر ایک بدبخت بھالو نے اسے ناکام بنا دیا۔ اس کا سیاہ پنجہ دست عزرائیل کی مانند ہماری گردن کی جانب بڑھا اور ہم ہوش وخرد سے بیگانہ محض ہو گئے ...... اور جب ہوش آیا تو شہر بھنبھور لٹ چکا تھا۔ دریا کے تیز دھارے نے ہمیں کنارے پہ لا پھینکا تھا اور پھر ہم نے لائف جیکٹ بھی پہن رکھی تھی' آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا' نہ ماریتا تھی نہ رافٹ نہ اسباب۔ ہم نے فوراً جیکٹ کی چور جیبیں ٹٹولیں' الحمدللہ ہمارا والٹ بمعہ نقدی' ٹریولرز چیکس اور ماسٹر کارڈ محفوظ تھا۔ ہم فوراً سجدۂ شکر بجا لائے۔ دل کو قدرے اطمینان تو نصیب ہوا لیکن ماریتا کی فکر لاحق تھی۔ لائف جیکٹ تو ماریتا نے بھی پہن رکھی تھی لیکن کیا وہ ان ملعون بھالوؤں کے دوزخی پنجوں اور شیطانی کشش سے محفوظ رہی ہوگی۔

برصغیر میں بھالوؤں کی حسن پرستی کے کئی واقعات سنے تھے' کئی واقعات میں یہ موذی جانور خوبصورت خواتین کو باقاعدہ اغوا کر کے لے گئے تھے' کیا ماریتا بھی خاکم بدہن اس وقت کسی بھالو کی غار میں ہوگی۔ یوجم اور ماریانا کے بعد یہ دوسرا صدمہ عظیم ہوتا ...... کیونکہ ہم نے برصغیر میں سنا تھا کہ بھالو کی اٹھائی ہوئی خواتین کبھی واپس آنے پر آمادہ نہیں ہوتیں اور یہاں تک بھی ہوا کہ بھالو کو مار دیا گیا تو مغویہ اس کریہہ جانور کی لاش سے لپٹ کر بین کرتی رہی ...... خدا جانے کیوں؟ عجب راسپوٹین جانور ہے ...... بنارس کے ایک مہیلا آشرم میں ایسی ہی ایک خاتون کو ہم نے بھی دیکھا تھا جو بھالو کی بیوہ کہلاتی تھی' اسے ایک پنجرہ نما کمرے میں رکھا گیا تھا اور وہ ہر وقت بھالو بھالو پکارتی رہتی تھی ......

اب ہمارے سامنے دو راستے تھے' ایک تو جرأت احمقانہ کہ دریا کے ساتھ ساتھ ماریتا ماریتا چلاتے ہوئے بھاگیں اور دوسری عاقلانہ کم ہمتی کہ قریبی آبادی تک پہنچ کر حکام سے مدد حاصل کریں۔ ہم نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ آبادی تک پہنچتے پہنچتے ہمیں شدید قسم کا بخار لاحق ہو گیا تھا۔ چنانچہ ماریتا اور اسباب کی تلاش کا کام حکام پہ چھوڑا اور خود ہسپتال میں داخل ہو گئے۔ جب ہم سرسامی کیفیت سے باہر آئے اور حکام کو بیان دینے کے قابل ہوئے اور بیان قلم بند کروایا تو پولیس آفیسر نے کہا ''سینوریا تو آپ ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں یا پھر آپ اول درجے کے جھوٹے ہیں۔'' اندازہ کیجیے ہماری جان جاتے جاتے بچی اور جان عزیز ہاتھ سے نکل گئی اور ہماری ہی صداقت اور صحت ذہن پہ شک ...... واہ اے پولیسیا ہسپانیہ

کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

مصرعہ جانے برمحل ہے بھی یا نہیں لیکن قابل معافی ہوں کہ نیم سرسامی کیفیت میں دہرایا گیا تھا۔ بعد میں جب ہم نے آفیسر سے پائرنیز میں شیر کے حملے کا تذکرہ کیا تو بدبخت قہقہہ لگا کر ہنس پڑا اور بولا آپ کو تو ہمارے محکمہ جنگلی حیات والے ایوارڈ دیں گے کہ آپ نے نصف صدی بعد پائرنیز میں شیر دریافت کیا ہے لیکن ہم بھی کچھ عرصہ آپ کو اپنے ساتھ رکھنا پسند کریں گے۔ میں ایک پولیس مین یہاں چھوڑے جا رہا ہوں آپ اس کمرے سے باہر نہیں جا سکتے۔

تین روز ہمیں زندانِ ہسپتال میں ایک قیدی کی مانند گزارنا پڑے اور انتہائی بیہودہ اور بے سروپا سوالات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن جب چوتھے روز آفیسر آیا تو اس نے ہم سے معذرت کی' اس نے بتایا کہ رافٹ مل گئی تھی البتہ سامان نہیں مل سکا دریا میں بہہ گیا ہوگا۔ جنگل میں سے بھالوؤں کی دو کھالیں برآمد ہوئیں' چنانچہ پولیس ماریتا کے قبیلے کے پڑاؤ کی طرف گئی' قبیلہ وہاں سے کوچ کر چکا تھا' لیکن پولیس نے انہیں ڈھونڈ نکالا' ماریتا بھی ان کے ساتھ تھی' وہ دو بھالو ماریتا کا منگیتر اور اس کا باپ نکلے اور اب وہ پولیس کی تحویل میں ہیں۔ ماریتا نے بیان دیا ہے کہ اگرچہ ان لوگوں نے ایک جرم کیا ہے لیکن وہ اپنے قبیلے کے ساتھ رہنا پسند کرے گی اور مور پردیسی سینور طوطوجان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی ...... گویا ایک اور حسینہ ایک بھالو کے سحر کا شکار ہوگئی تھی اور وہ بھی جعلی بھالو کا...... آفیسر نے جاتے وقت ہم سے ہاتھ ملایا اور مسکرا کر بولا ''لیکن سینور میں آپ کی شیر کے ساتھ مقابلے والی کہانی خریدنے کے لیے تیار نہیں وہ یقیناً کوئی جنگلی بلا رہا ہوگا...... خدا اسے غارت کرے متعصب صلیبی......

لعنت فرستادن برسرزمین ہسپانیہ وروانگی سوئے فرانسہ وخمارِ آب انگور

پہلے ماریانا اور اب ماریتا...... ہم کو تو جو بھی دوست ملے بے وفا ملے...... سلمیٰ آغا یاد آئی...... زبانِ اردو میں ایک محاورہ ہے نانی یاد آنا...... دکھوں نے ہمیں نانی یاد دلا دی' نجانے محاورہ برمحل ہے یا نہیں۔ بہرحال سلمیٰ یاد آئی تو نانی بھی یاد آئی۔ بمبئی میں جب سلمیٰ سے ملاقات ہوئی تھی تو نانی بھی ساتھ تھیں' بلکہ برصغیر میں بمبئی' لاہور وغیرہ میں جتنی بھی سلمائیں' لیلائیں' نادرائیں وغیرہ ہوتی ہیں ان کے ساتھ نانیاں ضرور ہوتی ہیں...... پے در پے بے وفائیوں کے صدمے' دو تو قابل ذکر تھے جن کا ہم نے تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا' علاوہ ازیں بھی چند چھوٹی چھوٹی بے وفائیوں سے واسطہ پڑا...... لہٰذا ہم نے سرزمین ہسپانیہ پر لعنت بھیجی اور فرانس کا قصد کیا۔ یوں بھی جو سرزمین ہمارے اسلاف کی نہ ہوسکی اس نے ہمارا کیا ہونا تھا...... خوش رہو اہل چمن ہم تو سفر کرتے ہیں۔ اسباب تو غارت ہو چکا تھا' پاسپورٹ پہ ویزا لگوایا' جہاز کا ٹکٹ خریدا ایک ٹی شرٹ اور برمودا شارٹس میں ملبوس جہاز

میں بیٹھ گئے' اسباب کے بارے میں ہم نے فیصلہ کیا کہ اس پسماندہ اور منحوس ملک کی بجائے فرانس جا کر خریدیں گے' گراں سہی معیاری تو ہوگا بخل سے کام کیوں لیں' ہیں جی؟

اللہ کے کرم سے گزشتہ سفرناموں کی رائلٹی سے ہمارا گزارا بے حد اچھا ہوتا ہے۔ ہمارے بھائی مستنصر حسین تارڑ المعروف اندلس میں اجنبی نے ایک ڈرامہ لکھا تھا ''گزارا نہیں ہوتا'' دیکھنے کا اتفاق ہوا بے حد پسند آیا...... لیکن ہمارا گزارا الحمدللہ ہوتا ہے' ہر قسم کا ہوتا ہے اور بہت اچھا ہوتا ہے۔ لہٰذا چل سو چل...... جہاز نے اڑان بھری' ایئر فرانس کی خوش شکل فضائی میزبان ہمارے اطراف تتلیوں کی مانند منڈلا رہی تھیں لیکن ہنوز ہم صدمات سے کماحقہ باہر نہ آئے تھے...... لہٰذا ان پر التفات نہ کیا اور توجہ صرف فرانسیسی وائن پہ مبذول رہی۔ خوبصورت ایئر ہوسٹس جام لاتی رہیں اور ہم ہل من مزید کا نعرۂ مستانہ بلند کرتے رہے۔ اس نے کہا بھی موسیو اتنی زیادہ وائن کی بجائے آپ وہسکی کیوں نہیں منگوا لیتے' ہم نے جواب دیا ''محترمہ اس لیے کہ ہم ایک مذہبی انسان ہیں اور وہسکی وائن کی نسبت زیادہ حرام ہے کیونکہ اس میں الکحل وائن کی نسبت پانچ گنا زیادہ ہوتی ہے'' نمعلوم جہاز کتنی دیر فضا میں محو پرواز رہا۔ ہمیں بس اتنا یاد ہے کہ جب جہاز نے زمین پکڑی تو خوبصورت فضائی میزبان نے ہمیں شانے سے پکڑ کر جھنجھوڑا ''موسیو اٹھو پیرس آ گیا ہے'' ہمیں اپنے دوست خوشونت سنگھ کا سنایا ہوا لطیفہ یاد آ گیا' جب بس کے ایک کنڈیکٹر نے ایک سوئے ہوئے سردار کو جھنجھوڑ کر کہا تھا گندے نالے والے اتر جائیں' شاید کچھ ایسا ہی تھا' حافظہ کچھ صدمات کے مارے کمزور ہوگیا ہے برصغیر میں کمربند کو نالا کہا جاتا ہے اور ندی کو بھی...... میرا خیال ہے ایسا ہی تھا۔

بہرحال اس فرانسیسی پری رو نے ہمیں اپنی مرمریں' بلوریں اور عنبریں بانہوں میں سہارا دے کر جہاز سے اتارا' ہم اس قدر بھی حالت غیر میں نہ تھے کہ ہمیں کسی سہارے کی حاجت ہو لیکن اس حسینہ کو انکار کرنا بھی تو کفرانِ نعمت تھا۔ ایئر فرانس کے عملے نے ہمیں ہوٹل پہنچایا صبح آنکھ کھلی تو میز پر ''لی موندے'' کا تازہ شمارہ رکھا تھا جس میں ایئر ہوسٹس کی بانہوں کے گھیرے میں ہماری حالت خمار میں تصویر چھپی تھی اور کیپشن تھا کہ ''ممتاز مسلم سیاح ابن بطوطہ فرانسیسی شراب کے زیر اثر فرانسیسی حور کی بانہوں میں'' خدا انہیں تباہ و برباد کرے

کس قدر متعصب ہوتے ہیں یہ اہلِ مغرب اور کتنا بغض مسلمانوں کے خلاف ان کے اذہان میں بھرا ہوا ہے۔ ہم نے فوراً اخبار کے مدیر مسئول کو فون کیا اور اسے بتایا کہ ہمارے شکم میں دردِ قولنج تھا لہٰذا ایئر ہوسٹس نے سیڑھیوں سے اترتے وقت ہماری تھوڑی سی مدد کر دی تھی ورنہ نعوذ باللہ نشۂ مے والی کوئی بات نہ تھی۔ دوسرے روز ہماری تردید چھپی اور ساتھ ہی ایئر ہوسٹس کا بیان بھی کہ میں نے موسیو ابن بطوطہ سے بہت کہا کہ وہ زیادہ وائن نہ پئیں لیکن انہوں نے میری ایک نہ مانی۔ ہمیں بے حد دکھ ہوا' اس قدر حسین خاتون اور اس قدر دروغ گوئی' اس نے تو الٹا ہمیں وِسکی پینے کا مشورہ دیا تھا۔ خیر یورپی پریس کسی کو معاف نہیں کرتا' شرفاء کی دستار ہائے فضیلت اچھالنا' چادر اور چار دیواری کا تقدس پامال کرنا' لوگوں کے ذاتی بلکہ انتہائی ذاتی معاملات میں مداخلت کرنا ان بدکرداروں اور بدنیتوں کا وطیرہ ہے......اور ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز......یہی بہت تھا کہ ہماری تردید چھاپ دی گئی تھی چنانچہ ہم نے اس قضیے پہ تین حرف بھیجے اور پیرس کے کوچہ و بازار کی رنگینیوں میں کھو گئے......اور رنگینیوں میں ڈوب گیا پیرہن تمام۔

(جاری ہے......جاری تھا اور جاری رہے گا)

احمقوں کی جنت

مکان نمبر 234 ج دانش روڈ کے صدر دروازے پر دائیں طرف ''جنت'' کی تختی لگی ہوئی ہے جبکہ بائیں طرف چار نام ترتیب نزولی میں لکھے ہوئے ہیں مستعد' مستقیم' مستحسن اور مستغیث۔ یہ چاروں سابق صدر معلم گورنمنٹ ہائی سکول دانش آباد مرحوم اے ڈی ساغر یعنی اللہ داد ساغر کے فرزندان ہیں۔ مرحوم نے اپنے والد سے ورثے میں ملی تمام زرعی اراضی فروخت کر کے شہر کی نئی کالونی میں یہ گھر بنوایا تھا اور اس کا نام ''جنت'' رکھا تھا۔ آپ گھر کو اسم بامسمّٰی' بنانے کی حسرت لیے دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔

صاحبزادگان کے نام بھی انہوں نے عربیائے ہوئے اور پُراز معانی رکھے لیکن ان بچوں کے اسم بامسمّٰی بننے کی آپ کی حسرت بھی حسرت ہی رہی۔ مستعد جیسا کاہل شخص پوری کالونی بلکہ پورے شہر میں نہ ہوگا' مستقیم کا کوئی کام سیدھا نہیں ہوتا' یوں کہیے کہ وہ دانش آباد کا سب سے ٹیڑھا شخص ہے۔ مستحسن حسن و خوبی سے یکسر محروم' انتہائی ناشکرا در نا سپاس ہے اور کسی کی اچھائی کو بنظرِ استحسان دیکھنے کا روادار نہیں۔ مستغیث کسی کی فریاد سننے اور کسی کی امداد کرنے کا قائل نہیں اور خود بھی کسی سے تعاون کا طلب گار نہیں ہوتا' انتہائی بدمزاج خردماغ اور ہتھ چھٹ آدمی ہے۔

صاحبزادگان کو بچپن ہی سے بگڑنے کے تمام اسباب ہیڈ ماسٹر صاحب نے خود ہی مہیا کر دیئے۔ انہوں نے خود کو بچوں کی والدہ کی غلامی میں دے رکھا تھا' چنانچہ بچوں پہ ذرا بھر سختی کی اجازت نہ تھی بلکہ بچوں کی ماں کی خوشنودی کے لیے بچوں کی خوشامد کی جاتی

تھی۔ رہی سہی کسر خوشامدی اساتذہ نے پوری کر دی جنہیں جناب صدر معلم نے بچوں کی تعلیم وتربیت کا فریضہ سونپا تھا۔ بچوں کی تربیت تو کیا ہونی تھی البتہ اساتذہ نے چاپلوسی اور خوشامد میں اختصاص حاصل کرلیا (اختصاص کے معنی ہیں سپیشلائزیشن' مرحوم صدر معلم عربی فارسی کے ثقیل الفاظ کا استعمال بے حد پسند فرماتے تھے)۔

ساغر مرحوم (صدیقی نہیں اللہ داد) کی زوجہ محترمہ جنت بی بی بقید حیات ہیں' دس سالہائے بیوگی بحسن وخوبی گزار چکی ہیں اور مزید دس سال خوش اسلوبی سے گزارنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ مرحوم نے شاید انہی کے نام پہ گھر کا نام جنت رکھا تھا' لیکن اماں جنت بی بی دامت برکاتہا نے گھر کو جہنم بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

صاحبزادگان جو عروسی' عم زاد کے ساتھ ساتھ نااہلیٔ پدر اور تربیت اساتذہ ہائے درباری کا نتیجہ تھے' انتہائی کند ذہن' احمق اور کندۂ ناتراش واقع ہوئے تھے' لہٰذا لوگوں نے اس گھر کو احمقوں کی جنت کہنا شروع کر دیا بلکہ کسی ستم ظریف نے صدر دروازے پر سرخ رنگ کے ساتھ ''جنت'' سے پہلے ''احمقوں کی'' کے الفاظ کا اضافہ بھی کیا جسے مٹانے کی نیم دلانہ کوشش کی گئی ہے۔ مستعد ساغر سکول میں کلرک ہے' مرحوم اسے ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے لیکن جب وہ چھ بار ایف ایس سی میں فیل ہوا تو والد محترم نے اسلامیات اختیاری' شہریت اور تربیت جسمانی کے مضامین میں ایف اے کرا دیا۔ ابا کی ریٹائرمنٹ سے چند ماہ قبل محکمۂ تعلیم میں جونیئر کلرک بھرتی ہو کر اسی سکول میں آ گیا۔ مرحوم نے صاحبزادے کو کلرک بھرتی کرانے کے لیے بے پناہ پاپڑ بیلے' افسران کی خوشامدیں کیں' ان کے گھر آموں کی پیٹیاں بھجوائیں' محکمے کے لیے اپنی چالیس سالہ خدمات کا حوالہ تو ان کی نوکِ زباں پہ دھرا رہتا تھا۔

یوں ''جنت'' کا ایک اہم ستون' جناب صدر معلم کا ولی عہد مستعد باللہ سکول کے ایک تنگ و تاریک کمرے میں ایک بوسیدہ کرسی پر انتہائی شان وشوکت کے ساتھ اونگھتا ہوا پایا جانے لگا۔ یہ نشست ایک بزرگ سینئر کلرک کی ریٹائرمنٹ کے نتیجے میں خالی ہوئی تھی' وہ اپنی جگہ اپنے بیٹے کو بھرتی کرانے کا خواہش مند تھا لیکن یہ نشست ہیڈ ماسٹر صاحب ہڑپنے میں کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ کلرک برادری میں مستعد کو گھس بیٹھیے کی حیثیت دی گئی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کی منتوں کے باوجود کسی سیانے کلرک نے اسے اسرار و رموز کلرکی سے شناسا نہ کرایا

(مستعد خود بھی اس کا خواہش مند نہ تھا)۔ چونکہ مستعد انتہائی کاہل مزاج آدمی ہے لہٰذا گورنمنٹ ہائی سکول دانش آباد کے عملے کو تنخواہ مہینے کی پندرہ تاریخ سے پہلے نہیں ملتی۔ ان کی چھٹیوں' ترقیوں' اے سی آر' انکریمنٹ وغیرہ کی درخواستیں اکثر نذر خاک ہو جاتی ہیں یا پھر بیچاروں کو خود بھاگ دوڑ کرنا پڑتی ہے۔ آپ یہ پوچھیں گے کہ اس کے باوجود مستعد اپنی کرسی پر کس طرح ڈٹا ہوا ہے۔ تو سن لیجیے کہ اس ملک میں وزیراعظم کو ہٹانا آسان ہے جبکہ ایک کلرک کو اس کی نوکری سے نکالنا ناممکنات میں سے ہے۔

مستعد اس قدر احمق واقع ہوا ہے کہ جب وہ کالج میں سال دوم کا طالب علم تھا تو اس کی ایک دوست کے ساتھ لین دین پہ تکرار ہو گئی۔ اس دوست نے کہا یار مستعد جھگڑتے کیوں ہو تم نے مجھ سے سو روپے لینے ہیں جبکہ میرے چھوٹے بھائی نے تمہارے پچاس روپے دینے ہیں سو میں سے پچاس نکالے تو بچ گئے پچاس' یہ پچاس روپے پکڑو تمہارا ہمارا حساب بے باق' مستعد نے خوشی خوشی پچاس روپے جیب میں ڈال لیے۔ اسے کئی بار سمجھایا گیا کہ تمہارے ان کی طرف ایک سو پچاس روپے بنتے ہیں لیکن یہ بات مستعد کے پلے نہیں پڑی۔ یہ ایک نمونہ تھا مشتے از خروارے اس کی حماقت کا۔ ایک بار مستعد سولہ تاریخ کو دفتر حسابات سے اپنے سکول کے عملے کی تنخواہ لے کر آ رہا تھا کہ راستے میں پڑنے والے ایک تکیے پر چند دوستوں کے شدید اصرار پر (یہ مستعد کا موقف ہے) بھنگ پینے بیٹھ گیا اور تیسرے سبز جام سفال کے بعد تنخواہوں والا تھیلا کھول کر حاتم طائی بن کر رقم لٹانا شروع کر دی اور مٹھیاں بھر بھر کے نوٹ فقراء مساکین میں بانٹے' نتیجتاً معطل ہو گیا' انکوائریاں ہوئیں' پانچ سال تک غریب کے خلاف کیس چلتا رہا۔ ان ایام کو مستعد اپنی زندگی کے سنہرے ترین دن کہتا ہے۔ جب اسے منحوس اور سڑے ہوئے سکول (مستعد کے الفاظ) کی شکل نہیں دیکھنا پڑتی تھی۔ مزے سے گیارہ بجے سو کر اٹھتا تھا اور پھر اس تکیے پر جا کر ملنگوں کے ساتھ سبز پری کے پیالے نوش کرتا تھا اور رات دیر گئے گھر آ کر سو جاتا تھا اور کبھی واپس نہیں بھی آتا تھا کیونکہ وہاں بھی وہ جنت ہی میں ہوتا تھا۔

اس کے ایک ہم پیالہ دوست کے وکیل بھائی نے ترس کھا کر فی سبیل اللہ اس کا کیس لڑا اور فیصلہ مستعد کے حق میں ہوا۔ اسے پانچ سال کی تنخواہ بمعہ تمام تر واجبات

ازقبیل انکریمنٹ الاؤنسز وغیرہ یکمشت ادا کیے گئے۔اب مستعد معطل ہونے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔غیر حاضری پہ اسے کوئی معطل نہیں کرتا' تنخواہوں والا بہانہ اب کوئی چلنے نہیں دیتا کیونکہ ہیڈ ماسٹر صاحب تنخواہیں خود جا کر لاتے ہیں' رہا کچھ نئے بہانے تلاش کرنا تو آپ جانتے ہیں کہ یہ مشکل کام ہے جبکہ مستعد خاصا کاہل واقع ہوا ہے۔

مستقیم کو مرحوم و مغفور پیار سے منحنی کہا کرتے تھے۔نائب مدرس دین محمد (اول مدرس بننے کی حسرت دل میں لیے جہاں سے گزر گئے) کہا کرتے تھے کہ محاورہ جلیبی کی طرح ٹیڑھا مستقیم ساغر کی طرح ٹیڑھا ہونا چاہیے تھا۔

مستقیم بچپن ہی سے والد کے لیے مسائل کھڑے کرتا آیا تھا۔ماسٹر دین محمد کا کہنا تھا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا اور مشکل مسئلہ مستقیم کی پیدائش ہے۔

مستقیم بے حد معصوم' بھولا بھالا' سیدھا سادھا اور من موہنا بچہ دکھائی دیتا تھا اور اب بھی اس کے چہرے پر اس کے اعمال کے مقابلے میں بے حد کم پھٹکار دکھائی دیتی ہے۔ماسٹر دین محمد کہتے تھے کہ اے ڈی صاحب کے چہرے پر فی مربع ملی میٹر پھٹکار مستقیم کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے حالانکہ ان کے افعال مستقیم کے مقابلے میں کم مکروہ اور شنیع ہیں۔

مستقیم کی معصوم وارداتوں میں نائب مدرس صاحب کی کرسی کی نشست میں آتش گیر مادہ چھپا کر اسے آگ لگانا' ان کی بائیسکل کی گدی میں کھڑی سوئیاں رکھنا' ان کے لنچ بکس میں مردہ چھپکلیاں اور مینڈک رکھنا اور ان کی تصویر میں سر کے پیچھے گدھے کا دھڑ لگا کر متعدد پرنٹ نکلوا کر سکول میں جگہ جگہ چسپاں کرنا شامل ہیں۔مجھے یاد ہے کہ اس تذلیل پر نائب مدرس رو پڑے تھے۔ چنانچہ صدر معلم نے زندگی میں پہلی بار مستقیم کو دو طمانچے بھی رسید کیے تھے اگرچہ ہلکے سے' ان کی آنکھوں میں بھی یہ نامعقول تصویر دیکھ کر آنسو آ گئے تھے اگرچہ واقفانِ حال کہتے ہیں کہ ہنسی کے مارے آئے تھے۔ویسے اتنی بڑی اجتماعی مسرت کی لہر سکول میں کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ ہر طرف مسکراہٹیں تھیں اور قہقہے تھے۔ایک بار بدبخت نے نوٹس بورڈ پر عربی کے استاد قاری عبدالشکور نور پوری کی مفروضہ اور خیالی رسم ختنہ میں شمولیت کا دعوت نامہ انتہائی خوشخط لکھوا کر آویزاں کر دیا تھا۔قاری صاحب چیختے رہ گئے لیکن مستقیم کے خلاف کوئی ثبوت نہ تھا بلکہ اس نے تو خود تجویز پیش کی تھی کہ تمام مشتبہ طلبہ کی

ہیڈ رائٹنگ چیک کی جائے اور اس نے رضا کارانہ طور پر سب سے پہلے اپنے خط کا نمونہ دیا۔قلم ہاتھ میں پکڑ کر دعوت عام رسم ختنہ پسرم عزیزی عبدالشکور تحریر کرنا شروع کر دیا اور آخر تک یعنی داعی الی الخیر چودھری عبدالغفور نور پوری (قاری صاحب کے والد) تک پورا دعوت نامہ لکھ ڈالا اور یوں اپنی بے گناہی ثابت کر دی۔اس سے قبل کہ کسی اور طالب علم کو طلب کیا جاتا مستقیم نے اس شبہ کا اظہار کیا کہ اشتہار کی ہینڈ رائٹنگ قاری صاحب کی اپنی ہے۔یک لخت قاری صاحب کا بھک سے فیوز اڑ گیا یہ اور دیگر تمام چہرے خوشگوار حیرت سے تمتما اٹھے۔بعد میں قاری صاحب نے تسلیم کیا کہ ایک خمیدہ کمر سفید ریش بابا جی ان سے اپنے پوتے کی رسم ختنہ کا دعوت نامہ لکھوا کر لے گئے تھے۔انہیں ناموں کی مماثلت پر تھوڑی سی حیرت تو ہوئی تھی لیکن وہ خاموش رہے تھے (وہ نقلی سفید داڑھی ایک بار میں نے بھی مستقیم سے لے کر استعمال کی تھی چہرے پہ ایک تقدس سا آ جاتا تھا)۔

سکول سے باہر گلی محلے میں بھی مستقیم کی کجروی برقرار رہی......اختر کے گھر کے سامنے سے کوڑا اٹھا کر راشد کے گھر کے سامنے رکھ دینا اور ان کی مردانہ زنانہ لڑائیوں کا لطف اٹھانا۔احمد کی بکری ذبح کر کے دوستوں کی دعوت کر لینا اور سری پائے محمود کے گھر کے سامنے پھینک دینا لوگوں کے گھروں کی گٹر لائنیں بند کر دینا' راتوں کو گھروں کی برقی رو منقطع کر دینا' کسی محلے دار کے کتے کے بارے میں دوسروں کے نام سے محکمہ صحت کو "تلفیٔ سگ دیوانہ" کے عنوان سے درخواست بھجوانا۔یکم اپریل کو خاص طور پر اس کی اہلیت عروج پر ہوتی۔نائب مدرس صاحب نے اپنی تمام جمع پونجی خرچ کر کے دانش آباد کے فیز 2 میں دس مرلے کا ایک پلاٹ خریدا تھا اور اس کے اطراف قبضے کے لیے پانچ فٹ اونچی ایک چار دیواری بھی بنوائی تھی۔ایک روز مستقیم گاؤں سے چند مزدور لے آیا اور ان سے کہا کہ وہ لوگ اس احاطے کو فروخت کر رہے ہیں' اور یہ اینٹیں اکھاڑ لینا چاہتے ہیں' لہٰذا تم لوگ یہ اینٹیں اکھاڑو اور جب کام مکمل ہو جائے تو انہیں چھکڑوں پہ لاد کر میرے گھر پہنچا دینا اور اپنی مزدوری بمع کرایہ چھکڑا جات وصول کر لینا' اس نے مزدوروں کو ماسٹر دین محمد کا گھر دکھا دیا۔
نائب مدرس عصر کی نماز پڑھنے کے لیے گھر سے نکلے تو دیکھا کہ اینٹوں سے لدے چھکڑے گلی میں کھڑے ہیں اور مزدور اینٹیں اتار اتار ان کے مکان کی دیوار کے ساتھ جما جما کر

رکھتے جا رہے ہیں۔ وہ ان پر سرسری نظر ڈال کر مسجد چلے گئے' نماز کے بعد واپس آئے تو چھکڑے جا چکے تھے جبکہ ایک مزدور ان کے مکان کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ ان کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ کام ہو گیا ہے اپنی اینٹیں سنبھال لیے پانچ صد روپے مزدوری اور سو روپیہ چھکڑوں کا کرایہ عنایت فرمائیے...... "بھائی کیسا کام" انہوں نے حیرت سے پوچھا' وہ بولا "جناب یہ آپ کے احاطے کی اینٹیں ہیں' آپ کے والد بزرگوار نے صبح ہمیں کام پہ لگایا تھا...... بیچارے نائب مدرس کو خاصے شور وشغب اور ہنگامے کے بعد انہیں مزدوری اور چھکڑوں کا کرایہ ادا کرنا پڑا۔ مستقیم کے خلاف کوئی ثبوت موجود نہ تھا۔ مزدور ایک سفید ریش بزرگ اور ایک نوعمر لڑکے میں بہ آسانی تمیز کر سکتے تھے۔ مستقیم کے بارے میں اس سے زیادہ کیا کہا جائے کہ اس سے راستہ پوچھنے والا کبھی منزل پہ نہیں پہنچ سکا۔ ایک بار وہ نائب مدرس صاحب کے گھر کے سامنے کھڑا تھا ایک شخص نے آ کر پوچھا "بیٹا کیا ماسٹر دین محمد کا مکان یہی ہے" کم بخت آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور بولا "جی ہاں' یہی گھر ہوا کرتا تھا' طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے سب جمع پونجی ان کے علاج پہ اٹھ گئی' مالک مکان نے بچوں کو بے گھر کر دیا' اب کچی آبادی کی ایک کھولی میں کسمپرسی کے عالم میں رہتے ہیں۔ خدا کسی کو یہ دن نہ دکھائے" اور اس شخص کو کچی آبادی کا نقشہ بنا کر پتہ سمجھا دیا۔ اسی اثناء میں دین محمد صاحب آ گئے ورنہ ان کا گاؤں سے آیا ہوا عزیز بیچارہ جانے کہاں کہاں بھٹکتا پھرتا۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ مستقیم تو خاصا ذہین شخص ہے پھر اس پر یہ تہمت حماقت کیوں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مستقیم کی ذہنی صلاحیتیں صرف تخریبی امور میں چلتی ہیں' وہ تعلیم میں صفر ہے' دنیاداری میں منفی...... ہر سال کے آغاز پہ اسے نئی جماعت میں دھکا دے دیا جاتا ورنہ اسے آتا جاتا کچھ نہ تھا۔ میٹرک میں اس نے تین سال لگائے' آخر ہیڈ ماسٹر صاحب کو بھاگ دوڑ کر کے اسے سیکنڈ ڈویژن میں پاس کرانا پڑا۔ اسے واپڈا میں اسسٹنٹ لائن مین بھرتی کیا گیا' ہیڈ ماسٹر کے ایک عزیز شاگرد نے جو واپڈا میں ایکسین تھے اپنا حق شاگردی ادا کیا۔ مستقیم کا ریکارڈ ہے کہ وہ آج تک بجلی کے کھمبے پہ نہیں چڑھا' اپنی کھمبے پہ چڑھنے والی بیلٹ اس نے پہلے ہی روز ایک بزرگ محلے دار کو ہرنیا بیلٹ بنا کر فروخت کر دی۔ مستقیم کے تبادلے کیے گئے' اسے معطل کیا گیا لیکن اسے کوئی فرق نہیں پڑا۔ وہ کہتا

ہے کہ میرا تبادلہ کسی دور دراز ویران علاقے میں تو ہو نہیں سکتا کیونکہ جہاں واپڈا ہو گا وہاں ظاہر ہے آبادی ہو گی اور تنزلی بھی ہونے سے رہی کیونکہ اس سے چھوٹی تو کوئی پوسٹ ہی نہیں ہے۔ ایک سب ڈویژنل آفیسر نے جنہوں نے یہ تہیہ کیا تھا کہ وہ مستقیم سے کام لے کر رہیں گے اس کی ڈیوٹی مک مکا یعنی صارفین وسائلین سے رشوت کی وصولی پر لگا دی۔ اس میں بھی مستقیم نے وہ گل کھلائے کہ ایس ڈی او صاحب کو اپنے فیصلے پر تائب ہونا پڑا۔ ان دنوں مستقیم اپنے نام کے ساتھ انچارج شعبہ امور رشوت ستانی واپڈا سرکل لکھوایا کرتا تھا اور انہی دنوں وزیر پانی و بجلی اس علاقے کے دورے پر آئے دفتر کے وزٹ کے دوران انہوں نے مستقیم کو اونگھتے دیکھ کر پوچھا کہ تم یہاں کیا کرتے ہو' سر میں رشوت کے لیے مک مکا کرتا ہوں اور بس میری یہی ڈیوٹی لگائی گئی ہے۔ ایس ڈی او سے ایس ای تک تمام افسر معطل ہو گئے جبکہ مستقیم کو وزیر صاحب نے اپنے سیکرٹریٹ میں طلب کر لیا اور وہی ڈیوٹی اس کے سپرد کر دی۔

اب آپ کی ملاقات مستحسن ساغر سے کراتے ہیں۔ مستحسن انتہائی بدشکل اور کریہہ شخص ہے۔ عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ خوش شکلی سے محرومی کی تلافی قدرت نیک طینتی سے کر دیتی ہے لیکن مستحسن نہ صرف بدصورت ہے بلکہ بدطینت بھی ہے۔ ایک بار صدر معلم مرحوم کے ایک بے تکلف دوست نے ان سے کہا تھا "یار معاف کرنا تمہارا مستحسن ہے بہت بدصورت" مرحوم نے ایک پرشور قہقہہ لگا کر جواب دیا "خدا کا شکر کرو کہ تم نے اس کی ماں کی شکل نہیں دیکھی"...... بہرحال ہم نے دیکھی ہوئی ہے۔ مستحسن اماں جنت بی بی کا "میل ایڈیشن" ہے۔

مستقیم کی کمینگیاں بھی تخلیقی ہوتی ہیں کیونکہ وہ اس معاملے میں ذہین ہے اور تخریب میں بھی ایک تخلیق لے کر آتا ہے جبکہ مستحسن انتہائی کند ذہن ہے بالکل ڈفر اور مکان "جنت" کو احمقوں کی جنت کا درجہ دلوانے میں اس کی حماقتوں کا کلیدی کردار ہے۔ بچپن میں ہم اسے گنڈا گولہ کھلانے کا لالچ دیتے اور کہتے "جا ابا کی ٹوپی اٹھالا" اور وہ اڑا لاتا تھا۔ ہم اسے فلیگ پول کے ساتھ لپٹے ہوئے جھنڈے میں لپیٹ دیتے اور صبح پرچم کشائی کے ساتھ ہی ہیڈ ماسٹر صاحب کی قراقلی ٹوپی پرواز کرتی ہوئی بڑی شان کے ساتھ زمین پر لینڈ

کر جاتی اور یہ منظر دیدنی ہوتا۔ ایک بار تو یہ نائب مدرس کی چندیا پر نازل ہوئی تھی۔ پیچھے سے کسی بدتمیز لڑکے نے بلند آواز سے کہا بھالو کی ٹوپی بندر کے سر۔ بدبخت مستحسن کو یہ منظر اس قدر پسند آیا کہ وہ گنڈے گولے کے بغیر بھی ٹوپی لانے لگا۔ آخر کار تنگ آ کر ہیڈ ماسٹر صاحب ٹوپی کو الماری میں تالا لگا کر رکھنے لگے اور پرچم کشائی بھی کبھی کبھار ہی کی جاتی' خاص مواقع پر۔ ایک روز مستحسن سے کہا گیا کہ ''میاں کافی دن ہوئے ٹوپی کا تماشہ دیکھے ہوئے ٹوپی تو اڑا کے لا'' بولا ''ابا ٹوپی تالے میں رکھتے ہیں'' کہا گیا ''پورے چار گنڈے گولے ملیں گے کسی بھی ترکیب سے اڑا کے لا''۔ اس نے پھر مجبوری ظاہر کی' سامنے والے نے چڑ کر کہا ''تو پھر اماں کے برقعے کی ٹوپی ہی لے آ''......اس گدھے کی انتہائے حماقت ملاحظہ کیجیے کہ قینچی لی اور والدہ کے برقعے کی ٹوپی کاٹ کر لے آیا۔ اسے بے حد لعنت ملامت کی گئی لیکن کم بخت ڈٹا رہا۔ ''ہم ٹوپی لائے ہمارے گنڈے گولے دیجیے ورنہ ہم ابا کو بتاتے ہیں''۔ اور اس وقت مستحسن ساتویں کا طالب علم تھا۔ مستحسن نے گنڈے گولے کھا کر والدہ کے تکیے کے نیچے فرضی اور گمنام محبت نامے رکھے' والد کی اچکن کی جیبوں میں دھمکیوں اور گالیوں بھرے خطوط اور مردہ کاکروچ ڈالے' امتحانی سوالنامے چرائے......اس کا نام ہی مستحسن گنڈہ گولہ پڑ گیا......اور آج بھی جب وہ گلے میں موٹے موٹے منکوں والی مالائیں ڈالے ہاتھوں پیروں میں لوہے کے موٹے موٹے کڑے پہنے' سر پر سبز پگڑ باندھے بابا جھنڈے شاہ بخاری کے آستانے پر سینئر خلیفہ ہے وہ مستحسن گنڈہ گولہ (یا گنڈہ گولہ بابا) ہی کہلاتا ہے۔

اس کا سیاہ چیچک زدہ چہرہ' سرخ ابلتی ہوئی آنکھیں' منہ سے بہتا ہوا سیلاب کف دیکھ کر آسیب زدہ خواتین تو کیا خود آسیب بھی خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ جتنے جن مستحسن ساغر عرف گنڈہ گولہ بابا نے نکالے ہیں کسی اور خلیفے نے نہیں نکالے۔ یہاں تک کہ مرشد بابا جھنڈا شاہ بخاری مرحوم جنت آشیانی علیہ ماعلیہ نے خود بھی نہیں نکالے ہونگے۔ اس کے باوجود مستحسن معاشی طور پر خوشحال نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی فطری حماقت کے باعث اس شعبے کی روایتی عیاریوں سے نابلد ہے۔

وہ صرف اس لگی بندھی لکیر پر چل رہا ہے جس پر جھنڈے شاہ مرحوم نے اسے

چلایا تھا۔ مرشد نے محض اس کی کریہہ صورتی اور کرختگی کی وجہ سے اسے خلیفہ بھرتی کیا تھا۔ جناب صدر مدرس ان دنوں بقید حیات تھے' انہوں نے سہ ماہی ''ادب کثیف'' میں عاق نامہ بھی چھپوایا تھا' لیکن اگر آج ان کے نام کو زندہ رکھا ہوا ہے تو صرف مستحسن عرف گنڈا گولہ نے...... وہ پورے ضلع میں پہچانا جاتا ہے بلکہ ضلع سے باہر بھی......مستغیث ساغر انتہائی خود غرض' بدمزاج اور ہتھ چھٹ شخص ہے' لڑائی جھگڑے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔ آپ اس سے کہیں ''مستغیث صاحب کیسے مزاج ہیں'' تو وہ جھٹ کہے گا ''مجھے پتہ ہے تم مجھے طنزیہ صاحب کہہ رہے ہو۔ بیہودہ آدمی تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی'' آپ اسے صرف مستغیث کہیں تو وہ پھر بھی گلے پڑ جائے گا کہ میری تمہاری کوئی بے تکلفی نہیں کیا تم میرے ہم جماعت رہے ہو مستغیث صاحب کہو۔ کوئی مسکراتا ہوا راستے سے گزر رہا ہو تو اس کا گریبان پکڑ لے گا کہ مجھ پہ ہنستے ہو۔ کوئی منہ پھلائے ہوئے جا رہا ہو تو اس پہ پل پڑے گا کہ میری نقل اتارتے ہو منہ چڑاتے ہو۔ اس قدر سنگدل اور بے حس ہے کہ کوئی ندی میں ڈوب رہا ہو تو مستغیث اسے بچانے یا مدد حاصل کرنے کی بجائے اس کا تماشا دیکھے گا۔ آپ بعد میں اسے احساس دلائیں تو کہے گا بھائی تیرنا مجھے نہیں آتا' چلانا مجھے نہیں آتا' ابا نے کہا تھا ہر نئی چیز اور نئے عمل کو دلچسپی کے ساتھ اور بغور دیکھا کرو وہی کر رہا تھا۔

ایک بار والدہ کو کرنٹ لگا' پنکھے کی ننگی تار سے چمٹ گئیں اور تڑپنے لگیں' مستغیث موجود تھا لیکن اس نے ماں کی مدد کے لیے کچھ نہ کیا محض تماشا دیکھتا رہا۔ وہ تو انہیں شوہر سے شرف بیوگی حاصل ہونا تھا' چنانچہ روح کے قفس عنصری سے پرواز کرنے سے لمحہ بھر پہلے لوڈ شیڈنگ کا وقت ہو گیا اور بجلی بند ہو گئی۔ مستغیث سے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا بزرگ کہتے ہیں آگ پانی اور بجلی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ مت کیا کرو۔ دوستوں نے شرم دلانے کی کوشش کی تو کہنے لگا میں تو مشاہدہ کر رہا تھا کہ بجلی انسان کی جان کیسے لیتی ہے۔ انسان کن کن تبدیلیوں سے گزرتا ہے اور اس کے چہرے کے تاثرات اور حرکات وسکنات میں کیا کیا تبدیلیاں آتی ہیں۔ یہ تو سائنس ہے اور علم ہے شرم کیسی جاہلو......اور یقین کیجیے مستغیث درحقیقت یہی کچھ کر رہا تھا۔ اس نے خود پہ بھی ایسے چند تجربات کیے ہیں۔ ایک بار اس نے چوہے مار گولیاں کھالیں' اسے ہسپتال لے جایا گیا' اس کا معدہ صاف ہوا' زہر کا

تریاق دیا گیا جب وہ ہوش میں آیا تو بولا ''میں تجربہ کر رہا تھا کہ چوہے مار گولیاں چوہے کی جان کیسے لیتی ہیں۔ بے ہوش ہونے سے پہلے مجھے محسوس ہوا کہ میرا گلا بند ہوتا جا رہا ہے چنانچہ میرا تجربہ نتیجہ خیز اور کامیاب ثابت ہوا اور یہ سامنے آیا کہ چوہے مار گولیاں چوہے کا گلا بند کر کے اور دبا کر اسے مار ڈالتی ہیں۔ ایک بار اس نے ملیریا کی دوا کلوروکین کی پچیس گولیاں کھالیں اسے بے تحاشا قے ہوئی جلاب آئے چند دن ہسپتال میں رہا اور اس بار وہ بے ہوش بھی نہیں ہوا۔ مستغیث کے بقول اس تجربے سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کی جان لینے کے لیے کلوروکین کی پچیس سے زیادہ گولیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

قابل فہم طور پر چاروں بھائی ناکت خدا ہیں۔ بھلا ایسوں کو کوئی اپنی بیٹیاں کیوں دینے لگا۔ البتہ ان چار احمقوں کی اکلوتی بہن فردوس عقل مند نکلی اور ''جنت'' چھوڑ کر ایک دوزخی کے ساتھ بھاگ گئی۔ حاجی عبدالغفور عرف حاجی دوزخی ایک چھوٹا سا ٹرانسپورٹر ہے' ایک روز اپنے ایک ڈرائیور کی بیماری کی وجہ سے ایک سٹیشن ویگن خود ڈرائیو کر رہا تھا اور فردوس بیگم اماں جنت بی بی کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھیں' کیوپڈ کا تیر کام کر گیا اور چند دن بعد فردوس حاجی دوزخی کے ساتھ نکل گئی اور انہوں نے کورٹ میرج کر لی۔ چاروں بھائیوں نے بہت واویلا کیا' مستغیث نے حاجی کو جان سے مارنے کی قسم آستانہ جھنڈے شاہ پر جا کر کھائی۔ مستحسن نے با آواز بلند دعا کی اور بابا جھنڈے شاہ سے استدعا کی کہ اس کے جوشیلے بھائی کو ایک انسان کی جان لینے اور قتل عمد کے کھیل سے بچالیں اور خود ہی تکلیف کر کے حاجی کی ویگن کا حادثہ کرا دیں۔

مستغیث نے بھائی کو بزدل قرار دیا اور اسے برا بھلا کہہ کر گھر واپس چلا آیا۔

تب والدہ نے چاروں بھائیوں کی میٹنگ طلب کی اور انہیں صورتحال کے روشن پہلوؤں سے آگاہ کیا اور انہیں سمجھایا کہ بیٹا تم لوگوں کی وجہ سے فردوس کا کبھی کوئی رشتہ نہ آتا اور وہ ہمیشہ ہم پر بوجھ بنی رہتی اور فرض کرو اگر کوئی رشتہ آ بھی جاتا اور طے پا بھی جاتا تو تم لوگوں کو بہن کے بیاہ پر خرچہ کرنا پڑتا اور اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے اسے جہیز دینا پڑتا ...... وہ نیک بخت بھاگ کر تم لوگوں کی کتنی مشکلیں آسان کر گئی' اب اس کا گھر بسنے دو''۔

مستغیث نے کہا ''اماں جان اللہ تعالیٰ آپ کی مشکل آسان کرے' میں تو قسم

کھا چکا ہوں اور وہ بھی آستانۂ عالیہ پر۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ قسم کے کفارے کے لیے مجھے پانچ سو پانچ روپے عطا فرمائیں تا کہ میں آستانے پہ جا کر فقرا و مساکین کو کھانا کھلاؤں'' اماں نے بادل نخواستہ اپنی آخری رسومات کے لیے رکھی گئی رقم میں سے پانچ سو پانچ روپے مستغیث کو دیے جو وہ جوئے میں ہار گیا...... اور دوستو...... ماسٹر اے ڈی ساغر کی نسل ترک جنت کر جانے والی اس بیٹی سے چلی جس کا نام ''جنت'' کے دروازے پہ کہیں تحریر نہیں۔

استاد ذوق بنام بہادر شاہ ظفر

بخدمت اقدس ہز امپیریل میجسٹی جناب ابوظفر بہادر شاہ کنگ آف برصغیر پاک وہند

شاہ والا

نہایت ادب کے ساتھ دست بستہ گزارش ہے کہ درخواست گزار عرصہ پانچ سال سے حضور والا کا ٹیوٹر ہے اور آپ کی شاعری کی نوک پلک سنوارنے کی خدمت پر مامور ہے۔ نیز اکیڈمی آف لیٹرز' رائٹرز' گلڈ اور نیشنل بک فاؤنڈیشن کا سربراہ ہے۔ آپ کی عنایات سے سوسائٹی میں خاصا مرتبہ اور احترام رکھتا ہے اور شہر کی اعلیٰ ترین اشرافیہ میں شمار ہوتا ہے۔ حضور والا نے منسٹر کا پروٹوکول بخشا ہوا ہے اور گاڑی پر جھنڈا لہرانے کی خصوصی اجازت مرحمت فرمائی ہوئی ہے۔

عالیجاہا کچھ عرصے سے ایک آوارہ اور لچر قسم کے شاعر نے بندہ کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ نام اس کا اسد اللہ بیگ ہے تخلص غالب کرتا ہے۔ آگرے کا باسی اور دلی میں گھس بیٹھیا ہے۔ انتہائی لغو' بے سروپا اور ناقابل فہم قسم کی شاعری کرتا ہے۔ میل جول لوئر کلاس کے لوگوں کے ساتھ ہے۔ گھٹیا کیسینوز میں جا کر جوا کھیلتا ہے' نچلے درجے کے لوگوں کے پبوں میں مے نوشی کرتا ہے' ترقی پسند نظریات رکھتا ہے' انجمن ترقی پسند مصنفین کا فعال کارکن ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ ممنوعہ کیمونسٹ پارٹی کے ساتھ بھی روابط استوار رکھتا ہے۔ اس کے لفنگے دوست میرے یعنی استادِ شاہ کے خلاف توہین آمیز اشتہارات شہر کی دیواروں پر

چسپاں کرتے ہیں۔ بندہ کی ہجو لکھ کر انٹرنیٹ پر جاری کی ہوئی ہے۔ موضوع کچھ اس قسم کا ہے کہ خاکسار یعنی استادِ شاہ علم وفضل سے بالکل عاری ہے اور اس کی واحد خوبی شاہ کا مصاحب ہونا ہے جس پر وہ اتراتا پھرتا ہے۔

انہوں نے میری ویب سائیٹ ہیک کر کے میری کئی نظموں اور غزلوں کے حُلیے بگاڑ دیئے ہیں۔ ایک بار تو ان لچوں نے حد کر دی کہ میری لیموزین پر انڈے اور ٹماٹر پھینکے۔

حضورِ والا سے گزارش ہے کہ مسمی اسد اللہ غالب کے خلاف ایکشن لیا جائے اور اسے کھنے سینکنے کے بعد دلی بدر کر دیا جائے۔ بہ نظر غائر دیکھا جائے تو مسمی غالب استادِ شاہ کے ساتھ ساتھ شاہ والا جاہ کی اہانت کا بھی مرتکب ہوا ہے جس کی سزا ہمارے کانسٹی ٹیوشن کے آرٹیکل 185C کے تحت سزائے موت ہے۔ لہٰذا عدالت کے جھمیلوں سے بچنے کے لیے (چیف جسٹس کا رویہ آج کل کچھ ہوسٹائل ہے) ایس ایچ او بلی ماراں کو حکم دیا جائے کہ مسمی غالب کو انکاؤنٹر میں پار کر دیا جائے' یہ سین کسی بھی پب یا کیسینو میں کری ایٹ کیا جا سکتا ہے۔

خاکسار تازیست آپ کو دعائیں دے گا۔

العارض

خاکپائے ظل سبحانی شیخ محمد ابراہیم ذوق فاضل اردو' منشی فاضل پی ایچ ڈی' ٹیوٹر ٹو ہز امپیریل میجسٹی' چیئرمین اکیڈمی آف لیٹرز' ڈائریکٹر نیشنل بک فاؤنڈیشن وصدر رائٹرز گلڈ' جنرل سیکرٹری مرکزی فلم سنسر بورڈ...... پدم شری' ستارۂ امتیاز' تمغۂ خدمت۔

بہادر شاہ ظفر بنام استاد ذوق

فرام دی آفس آف ہزامپیریل میجسٹی سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ شاہِ برصغیر پاک وہند

ٹو مسٹر محمد ابراہیم ذوق پدم شری وغیرہ چیئر مین اکیڈمی آف لیٹرز وغیرہم

ہم آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے انتہائی مسرت محسوس کر رہے ہیں کہ شاہِ والا تبار نے آپ کی عرضی پر غور کیا اور اسے یکسر مسترد فرما دیا۔ ظلِ سبحانی فرماتے ہیں کہ غالب کے بارے میں ان کی رائے وہی ہے جو موسیو ڈی گال کی ژاں پال سارتر کے بارے میں تھی کہ ''وہ تو فرانس ہے'' شہنشاہ معظم فرماتے ہیں کہ 'غالب تو برصغیر ہے۔''

آپ نے اپنی عرضی میں تحریر کیا ہے کہ غالب کی صحبت پنچ لوگوں کے ساتھ ہے' کیا حضرت علامہ مفتی صدر الدین اور پیرانِ پیر حضرت کالے میاں نعوذ باللہ پنچ لوگ ہیں؟ شہنشاہ مکرم و معظم نے آپ کی عرضی میں لفظ استادِ شاہ کے تین بار استعمال کا سختی سے نوٹس لیا ہے۔ آپ کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ آئندہ اس خطاب کے استعمال سے سختی سے گریز کریں بلکہ اپنے لیٹر ہیڈ یا نیم پلیٹ پر سابق استادِ شاہ لکھنے سے بھی احتراز کریں۔

اس چٹھی کے اجرا کی تاریخ سے آپ سو کالڈ ٹیوٹر ٹو دی کنگ نہیں رہے' آپ کو کلام شاہی کا حلیہ بگاڑنے کی ذمہ داری سے سبکدوش کیا جاتا ہے۔ اکیڈمی اور فاؤنڈیشن

وغیرہ کی سربراہی آپ اپنے پاس رکھ سکتے ہیں اور سرکاری لیموزین بھی لیکن اس پر جھنڈا لہرانے کے مجاز نہ ہوں گے۔

شاہِ بحرو بر فرماتے ہیں کہ امور مملکت کس طرح چلائے جانا چاہئیں یہ ہم بہتر سمجھتے ہیں' لہٰذا نامعقول قسم کے مشورے آپ اپنے جیب و دامن میں سنبھال کر رکھیے۔

حکیم مومن خان مومن سپیشل ایڈوائزر فار کلچر اینڈ انفارمیشن

صفدر جنگ روڈ دلی۔

شجرِ زر

''ہیلو مسٹر کریم بخش وہاٹ آ سرپرائز ٹو سی یو ہیئر ! کیسے ہیں آپ۔''

''معاف کرنا صاحب میں آپ کو پہچانا نہیں۔''

''اوہ کم آن' تم ہمیں بھول گئے' کوشش کرو پہچاننے کی' کم گیس۔''

بھیا اگر آپ کا یہ قیمتی سوٹ اتروا کر آپ پر دھوتی کرتا منڈھ دیا جائے آپ کے چہرے پہ دو ٹیڑھی میڑھی مونچھیں لگا دی جائیں' ان سنہری زلفوں کو مونڈ دیا جائے' جس لشکتی کار پہ آپ نے کہنی ٹکائی ہوئی ہے اس کی بجائے کسی سائیکل کا ہینڈل یا گدھے کی لگام آپ کے ہاتھ میں پکڑا دی جائے اور آپ کے منہ میں ولایتی کی بجائے دیسی زبان دے دی جائے تو آپ میرے ایک گمشدہ دوست جان محمد بن جائیں گے۔

''ہا ہا ہا' میں جان محمد ہی ہوں کریمے لیکن اب میں مسٹر جوہن کہلاتا ہوں اور اپنے قریبی حلقۂ احباب میں جونی' تم مجھے جونی کہہ سکتے ہو۔''

''اوئے جانوں یہ تیری کایا کیسے پلٹ ہوئی۔ جب پندرہ سال پہلے تو گاؤں چھوڑ کر مزدوری کرنے شہر گیا تھا اور کرائے کے پیسے مجھ سے ادھار لے کر گیا تھا اس وقت تو دھوتی اور شلوکے میں تھا اور آج......اور تو رہا کہاں اتنی مدت' گاؤں والے تو تجھے مردہ تصور کیے بیٹھے ہیں۔''

''چل میرے ساتھ' بیٹھ گاڑی میں' کسی اچھے ہوٹل میں چائے کے کپ پر تجھے اپنی داستان الف لیلیٰ سناتا ہوں''......

''ہاں تو جانوں' معاف کرنا جونی' تو کرتا کیا ہے۔''

''کچھ بھی نہیں بس اللہ چھپر پھاڑ کے دیئے جاتا ہے میں خرچ کیے جاتا ہوں۔''

''یہ دھن برسانے والا چھپر آیا کہاں سے؟''

''تمہاری بھابھی کی کرامات ہیں۔''

''ارے تو نے بیاہ بھی رچا لیا شہر میں اور گاؤں سے کسی کو بلایا تک نہیں۔''

''کریمے مختصر یہ کہ میں ایک کارخانہ دار کی کوٹھی میں چوکیداری کرتا تھا اور وہاں ایک بڈھا مالی بھی تھا جس کی ایک بیٹی تھی جو بی اے پاس تھی اور ایک پرائیویٹ سکول میں پڑھاتی تھی تجھے تو پتہ ہے شہر میں بیٹیوں کے رشتے ڈھونڈنا گاؤں کا بی ڈی الیکشن جیتنے سے بھی مشکل کام ہے' تو اس مالی بابا نے میری محنت' شرافت اور دیانتداری سے متاثر ہو کر مجھے اپنی دامادی کا شرف بخش دیا اور کریمے یہ سب اس پڑھی لکھی اور ذہین بی بی کی برکات ہیں۔''

''تیری محنت' شرافت اور دیانت کی تو ایسی کی تیسی ...... اور پھر پرائیویٹ سکولوں کی استانیاں اپنی تنخواہ سے مہینے کا سرخی پاؤڈر کا خرچ پورا نہیں کر سکتیں اور یہ ٹھاٹ......''

''بات یہ ہے کہ تمہاری بھابھی بڑی ہوشیار خاتون ہے' اس نے ایک این جی او بنا ڈالی اور پھر چند ہی برسوں میں ہم کوارٹر سے بنگلے میں پہنچ گئے۔''

''این جی او' یہ لفظ سنا ہوا لگتا ہے' یہ کیا ہوتا ہے بھلا۔''

''تمہیں یاد ہے کریمے بچپن میں تم نے کھیت میں ایک چونی بوئی تھی اور ہم اسے روز پانی دیا کرتے تھے اس امید میں کہ ایک پودا نکلے گا جس پر چونیاں لگیں گی......''

''ہاں یار ہم کتنے بیوقوف ہوا کرتے تھے' آج کے بچے کتنے سیانے ہوتے ہیں' میں نے ایک بار بچوں کو چونی والا واقعہ سنایا تو وہ بہت ہنسے میری حماقت پر۔''

''تم اکیلے ہی تھے بیوقوف' میں نے اسی روز ہی وہ چونی نکال لی تھی اور اس کی گڑ دانی کھا لی تھی۔''

''شروع سے ہی کمینے ہو تم' میں پورا مہینہ اسے پانی دیتا رہا تھا اور مہینے بعد جب میں نے مایوس ہو کر اسے کھودا تھا اور چونی غائب پائی تھی تو تم نے کہا تھا خراب بیج تھا

گل سڑ گیا ہوگا۔''

''چلو کمینہ ہی سہی' میں تجھے این جی او کے بارے میں بتا رہا تھا' یہ ایک ایسا درخت ہے جس پر واقعی نوٹ لگتے ہیں' نوٹ اتارے جاؤ اور خرچ کیے جاؤ۔''

''ہوتی کیا ہے یہ این جی او۔''

''یہ ایک تنظیم ہوتی ہے جو مختلف فلاحی اور رفاہی مقاصد کے لیے کام کرتی ہے' دنیا بھر میں بے شمار پیسے والے سخی داتا موجود ہیں جو ان تنظیموں کے لیے ڈالروں اور پاؤنڈوں کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔''

''این جی او کا تمہارے مال دار بننے سے کیا تعلق۔''

''احمق آدمی میں نے تجھے بتایا نہیں کہ این جی او فلاح اور رفاہ کے لیے ہوتی ہے اور سب سے پہلے انسان کو اپنی فلاح اور رفاہ کے لیے کام کرنا چاہیے' آپ خود محتاج ہوں گے تو دوسروں کی کیا خاک خدمت کریں گے۔''

''تمہاری این جی او کس مقصد کے لیے کام کرتی ہے۔''

''ہماری این جی او گدھوں کے ساتھ ہونے والے غیر انسانی سلوک کے انسداد کے لیے ملک بھر میں مختلف پراجیکٹ چلا رہی ہے۔''

''گدھوں کے ساتھ ہونے والا غیر انسانی سلوک۔''

''غیر جانورانہ کہہ لو یا جو بھی ہوتا ہے ظالمانہ سلوک ...... گدھا بے چارہ کتنا معصوم' مظلوم' جفاکش' سیدھا سادہ' خاموش طبع جانور ہے اور اس پر کتنا ظلم ہوتا ہے۔''

''تم گدھوں کی فلاح اور رفاہ کے لیے کیا کرتے ہو؟''

''قلت خوراک کے شکار گدھوں کے لیے چارہ' مختلف فیڈز اور وٹامن فراہم کرتے ہیں' زخمی اور بیمار گدھوں کا علاج معالجہ کیا جاتا ہے' ہمارے ڈاکٹر دور دراز دیہات میں جا کر گدھوں کا طبی معائنہ کرتے ہیں اور انہیں ادویات اور وٹامن وغیرہ مہیا کرتے ہیں' تشدد کا شکار گدھوں کو مالکان سے خرید کر خاص سنٹروں میں رکھا جاتا ہے اور ان کا طبی اور نفسیاتی علاج کیا جاتا ہے' اس کے علاوہ ہم نشے کے عادی گدھوں کے لیے بھی کئی مراکز چلا رہے ہیں۔''

''خدا کا خوف کر یار جانوں' نشے کے عادی گدھے' میں نے تو آج تک کوئی نشئی گدھا نہیں دیکھا۔''

''تم نے دنیا ہی کہاں دیکھی ہے کریمے ...... یہ جو گدھا گاڑیوں والے نشئی ہوتے ہیں یہ گدھوں کے پاس بیٹھ کر چرس وغیرہ پیتے ہیں یوں آہستہ آہستہ گدھے بھی نشے کے عادی ہو جاتے ہیں۔''

''یار جانوں تم نے اپنے گاؤں کے مظلوم گدھوں کے لیے تو کبھی کوئی ٹیم نہیں بھیجی۔''

''میں نے کبھی کسی گاؤں کے گدھوں کے لیے کوئی ٹیم نہیں بھیجی۔''

''ابھی تم بتا تو رہے تھے۔''

''میرے بھولے بادشاہ یہ سب کچھ کاغذوں میں ہوتا ہے۔''

''تمہیں ڈالر اور پاؤنڈ دینے والے تمہاری کارکردگی چیک نہیں کرتے۔''

''جب کسی ڈونر نے آنا ہوتا ہے تو ہم کرائے پر اچھے صحت مند گدھے لے آتے ہیں' انہیں نہلا دھلا' بنا سنوار کر کوٹھی کے لان میں چھوڑ دیتے ہیں' ڈونر انہیں دیکھ کر مزید ڈونیشن دے جاتے ہیں...... ویسے تم بتاؤ تم کیا کر رہے ہو۔''

''بس جونی' سمجھو ابھی تک چونیاں بو رہا ہوں' تم جیسا کوئی عقل مند آتا ہے' کھود کر نکال لیتا ہے اور میں ہوں کہ انہیں پانی دیئے جا رہا ہوں اس امید پر کہ ان میں سے پودے نکلیں گے جن پر چونیاں لگیں گی۔''

''یار تم پرانے دوست ہو آ جاؤ ہمارے شجرِ زر کے زیرِ سایہ۔''

''بحیثیت ورکر۔''

''نہیں بحیثیت خر۔''

ہز لارڈ شپ

1956......ہیتھرو ایئرپورٹ

پی آئی اے کی پرواز ہیتھرو ایئرپورٹ پر اتری' غلام حسین ایک ہاتھ میں ایک پوٹلی اور دستی پنکھا اور دوسرے ہاتھ میں پیتل کا بھاری لوٹا تھامے جہاز سے اترا اور اترتے ہی اپنے سامان کے لیے جو ایک عدد جستی ٹرنک پر مشتمل تھا شور مچانے لگا' اسے بڑی مشکل سے سمجھایا گیا کہ سامان اسے لاؤنج میں مل جائے گا اور اسے تقریباً دھکیل کر دوسرے مسافروں کے ساتھ بس میں سوار کرا دیا گیا۔ دورانِ پرواز اسے مسلسل دھڑکا لگا رہا تھا کہ جہاز کبھی بھی سمندر میں گر سکتا ہے' اس نے کئی بار سٹیورڈز کو روک کر لائف جیکٹ استعمال کرنے کا طریقہ پوچھا اور اس میں ہوا بھر کے گلے میں پہن کر بھی دیکھا تھا اور اسے گود میں رکھے رہا تھا۔ سیٹ بیلٹ کھول دی تھی' ہو سکتا ہے عین وقت پہ نہ کھلے' اس کی پریشانی کے دیگر اسباب بھی تھے' ایک تو شلوار جس میں وہ خاصی بے چینی محسوس کر رہا تھا وہ ہمیشہ دھوتی باندھتا تھا اور اتنی دیر تک وہ کبھی ٹک کے بھی نہیں بیٹھا تھا۔ لاؤنج میں پہنچ کر وہ ایک بار پھر سامان سامان چلانے لگا تب اسے کنویئر بیلٹ دکھائی گئی جس پر سامان گھوم رہا تھا' اسے اپنا جستی ٹرنک دکھائی دے گیا وہ اس کی طرف لپکا اسے گوروں کے دیگر معجزوں کو دیکھ کر یقین تھا کہ جیسے ہی ٹرنک اس کے قریب آئے گا خود بخود اس کے قدموں میں گر پڑے گا لیکن جب ٹرنک اس کے پاس سے گزرتا ہوا آگے چلا گیا تو وہ چلانے لگا' خدا کی قسم یہ میرا ہے خدا کی قسم یہ میرا ہے اور بیلٹ کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگا' آخر کسی شخص کے سمجھانے پر اس نے ٹرنک کو قابو

میں کر ہی لیا۔ اب کسٹم کا مرحلہ تھا' بکس کی تلاشی ہوئی جس میں ایک جوڑی کپڑے' ایک دھوتی' ایک کھیس' ایک کھسہ' لڈو' مرونڈا' میدے کی بنی میٹھی ٹکیاں' کنگھا' شیشہ' سرمہ دانی اور ایسی ہی چند چیزیں برآمد ہوئیں۔ دستی سامان کے حوالے سے اسے تھوڑی سی دقت ہوئی۔ پوٹلی کھولی گئی تو اس میں سے چوری برآمد ہوئی' اس نے کھا کر آفیسر کو سمجھایا کہ یہ اس کا لنچ ہے اور اس کے ملک کی لوک داستانوں میں بھی یہ شے خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ پوٹلی میں اخباری کاغذ میں لپٹی 6 عدد مسواکیں بھی تھیں۔ غلام حسین کی بجائے ایک اور مسافر نے آفیسر کو سمجھایا کہ یہ مسلم ٹوتھ برش ہے جس کے لیے ٹوتھ پیسٹ کی ضرورت نہیں ہوتی اور دوسرے یہ جو جگ نما چیز مسافر کے ہاتھ میں ہے یہ سکندرِ اعظم کے دور کی کوئی اینٹیک چیز نہیں لوٹا ہے جو ہر نیک مسلمان طہارت کے لیے اپنے ساتھ رکھتا ہے......اور اب اس کی تمام پریشانیوں کا خاتمہ ہو گیا کیونکہ اس کے ماموں اسے لینے آئے ہوئے تھے۔

غلام حسین کا ماموں برطانوی ہند کی فوج میں سپاہی تھا اور ایک انگریز کرنیل کا اردلی' دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپانیوں کی قید سے رہا ہو کر اپنے صاحب کے ساتھ ولایت چلا گیا تھا اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی اور اب اس کا بریڈفورڈ میں ایک چھوٹا سا جنرل سٹور تھا اور دو بیڈروم کا ایک ذاتی فلیٹ بھی۔ بیوی اسے چھوڑ چکی تھی' اس کی ایک بارہ سالہ بیٹی تھی جس کا مستقبل محفوظ کرنے کے لیے خدا بخش کو پاکستان سے اپنے 18 سالہ بھانجے کو امپورٹ کرنا پڑا تھا جو اس کے لام پر جاتے وقت چھ ماہ کا تھا۔ غلام حسین بے شک ان پڑھ تھا لیکن ذہین تھا' چیزوں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا' تیزی کے ساتھ سیکھتا تھا اور پھر شیخ ہونے کی وجہ سے پیدائشی کاروباری تھا۔

یہ غلام حسین ہی تھا جس کے مشورے پر جنرل سٹور کے ساتھ وائن شاپ کا اضافہ کیا گیا۔ ایک حلال گوشت کی دکان کھولی گئی جہاں غلام حسین خود بیٹھ کر بغدا اور چھریاں چلاتا تھا۔ وائن شاپ کے لیے ایک گوری لڑکی ملازم رکھی گئی کیونکہ خدا بخش نے جو ایک اچھا مسلمان تھا ام الخبائث کی بوتلوں کو ہاتھ لگانے سے انکار کر دیا تھا۔ غلام حسین ہی کے مشورے پر جنرل سٹور پر خدا بخش کے ساتھ شمیم کو بھی بٹھایا گیا اور یوں جنرل سٹور کی سیل بھی دگنی ہو گئی۔ جب شمیم اکیس سال کی ہوئی تو اس کی شادی غلام حسین

پائی اور اسی سال خدا بخش راہیٔ ملک عدم ہوا۔ موت کی وجہ اچانک حرکت قلب بند ہونا تھی۔ مرحوم نے اپنے داماد کو اپنی ملازمہ کے پہلو میں بیٹھ کر شراب خانہ خراب کے جام چھلکاتے دیکھ لیا تھا' خدا ان کی مغفرت فرمائے۔ اب غلام حسین لینڈ لارڈ بن چکا تھا' اس کے تین عدد رہائشی اپارٹمنٹ کرائے پر چل رہے تھے' ایک ڈاگ اینڈ کیٹ فوڈ سٹور تھا' ایشیائی کھانوں کا ریستوران تھا۔ وائن شاپ اور جنرل سٹور حجم میں چوگنے ہو چکے تھے۔ اس تمام ترقی کے باوجود اس نے اپنی حلال گوشت کی دکان پر بیٹھنا ترک نہیں کیا تھا۔

انہی دنوں پاکی بیشنگ اور سکن ہیڈز کے قضیے شروع ہوئے تھے۔ غلام حسین اپنے دو میرپوری معاونین کے ساتھ بغدے لے کر علاقے میں گھومتا تھا اور یوں سکن ہیڈز کو اس ایریا میں آنے کی جرأت نہ ہوئی تھی اور اس امر نے اسے ایک مجاہد کی شہرت بخش دی تھی۔ ایک آدھ بار بغدے ہاتھوں میں لیے غلام حسین اینڈ کو کا پولیس کے ساتھ آمنا سامنا ہوا تو اس نے بڑی عاجزی کے ساتھ اور مسکراہٹ نچھاور کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے اوزار شارپ کرانے جا رہے ہیں۔ اپنی خداداد ذہانت کے بل پر ہمارے ہیرو نے علاقے کے مسلمانوں کے اندر پائے جانے والے مذہبی اور روحانی خلا کو بھانپ لیا اور ایک بے وقعت قسم کا قطعہ زمین سستے داموں خرید کر اس پر مسجد کی تعمیر شروع کرا دی۔ حکومت نے بھی اس کار خیر کے لیے خاصی مالی امداد دی اور مسلم عوام نے تو بڑھ چڑھ کر چندے دیئے۔ مسجد اور اسلامک سنٹر کے مکمل ہوتے ہی غلام حسین کا ایک ذاتی شاندار رہائشی اپارٹمنٹ بھی تکمیل کو پہنچ گیا۔ غلام حسین نے داڑھی چھوڑ دی تھی اور ہر جمعے وہ نمازیوں سے خطاب کرتا تھا' اس کا دردمندانہ خطاب مسلمانوں کے دلوں کی گہرائیوں میں اتر جاتا تھا اور وہ اپنی جیبیں فی الفور خالی کر دیا کرتے۔

لوگوں کی جہالت کو دیکھتے ہوئے اس نے پاکستان سے اپنے ایک نوسرباز دوست گامے کو بلوا لیا۔ اس کا نام پیر غلام محی الدین چشتی القادری رکھا گیا...... سبز عمامہ' دراز ریش' گلے میں موتیوں کی مالائیں' انگلیاں پتھروں سے اور انگوٹھیوں سے بھری ہوئی' اس کی آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی۔ اپنے سسر والا قدیم فلیٹ غلام حسین نے پیر و مرشد کے آستانے میں بدل دیا۔ یہ کاروبار تو غلام حسین کی وائن شاپ سے بھی زیادہ منافع بخش ثابت ہوا۔ بے شمار لوگ پیر صاحب کے مرید بن گئے' حیرت کی بات یہ ہے کہ ان میں چند

گورے بھی شامل تھے۔ اسی دوران آپ فریضۂ حج سے بھی سبکدوش ہوئے۔ حج سے واپسی پر ایک بڑی چیریٹی قائم کی' حاسدین کہتے تھے کہ ٹیکس بچانے کے لیے ہے اور خدا انہیں غارت کرے وہ تو یہ بھی الزام لگاتے تھے کہ غلام حسین نے کسی براتھل میں اور نیوڈ کلب میں اور پورنو رسائل اور فلموں میں بھی سرمایہ کاری کی ہوئی ہے۔

ایک روز غلام حسین نے اپنے ایک پیر بھائی ولیم راجرز سے جو ایک ریٹائرڈ بیوروکریٹ تھے اور پیر غلام محی الدین کے مرید خاص تھے' پوچھا کہ میری اس کمیونٹی اور اس کاؤنٹی اور ملک کے لیے اتنی گراں قدر خدمات ہیں کیا مجھے کسی طرح سر کا خطاب مل سکتا ہے تو انہوں نے کہا یہ تو خاصا مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے' البتہ آپ صرف 2500 پاؤنڈ ملکہ کے ایک فنڈ میں بطور عطیہ دے کر لارڈ بن سکتے ہیں۔

1985......اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ

پی آئی اے کی فلائیٹ اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اتری۔ شاندار نیلے سوٹ اور پولکا ڈاٹ ٹائی میں ملبوس لارڈ حسین خراماں خراماں جہاز سے باہر تشریف لائے۔ ایئرپورٹ منیجر اور ایک سینئر بیوروکریٹ ٹارمک پر ان کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ وی آئی پی لاؤنج میں وزارتِ خارجہ کے ڈپٹی سیکرٹری' ایوان صدر کے پروٹوکول آفیسر' قومی اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر اور کئی دیگر اعلیٰ حکام نے انہیں خوش آمدید کہا۔

ایئرپورٹ سے انہیں سٹیٹ گیسٹ ہاؤس لے جایا گیا' قبل ازیں ایئرپورٹ پر انہوں نے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وہ دولت مشترکہ میں پاکستان کی دوبارہ شمولیت کے لیے حکومت برطانیہ پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں گے۔ انہوں نے سیاچن گلیشیر پر بھارتی قبضے کو ناپسندیدہ عمل قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ انگلینڈ کی پاکستانی اور بھارتی کمیونٹی کے چیدہ چیدہ افراد پر مشتمل ایک امن کارواں بذریعہ بس لندن سے لائیں گے جو دونوں متحارب ممالک کے دارالحکومتوں کے علاوہ سیاچن گلیشیر پر بھی جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ آج رات صدر پاکستان کے ڈنر میں وہ انہیں برطانیہ میں مقیم پاکستانیوں کے مسائل سے آگاہ کریں گے' نیز دوہری قومیت کے مسئلے پر بھی بات چیت کریں گے۔ انہوں نے اس امر پر مسرت کا اظہار کیا کہ

برطانیہ میں مقیم ان کے کئی دوست وطن میں سرمایہ کاری کرنے کو تیار ہیں' وہ وزارت صنعت و تجارت کے حکام کے ساتھ ملاقاتوں میں سرمایہ کاری کے مواقع کا جائزہ لیں گے۔ انہوں نے کہا کہ وزیراعظم کے ساتھ ملاقات میں وہ انہیں برطانیہ کی بزنس کمیونٹی کی طرف سے پاکستان میں مشترکہ منصوبے شروع کرنے کی پیشکش پہنچائیں گے۔

آں دفتر را گاؤ خورد

میانوالی سے ایک دلچسپ' فکر انگیز اور عبرت آموز خبر آئی ہے کہ ایک سرائیکی شاعر غلام حر جو سعودیہ میں مقیم تھے' حال ہی میں اپنا دیوان چھپوانے وطن واپس آئے تھے' لیکن شومئی قسمت ان کی پالتو گائے نے ان کی امیدوار طباعت کتاب ''کھٹے بیر'' کا مسودہ کھا لیا جس پر طیش میں آ کر جناب غلام حر نے اس گائے کو ذبح کر دیا۔ میں بذات خود اگرچہ سبزی خور ہوں اور گائے تو کیا مرغی کو بھی ذبح ہوتے نہیں دیکھ سکتا لیکن اس واقعہ کے بعد مجھے تمام شعراء دوستوں کے گھروں میں موجود گائیں واجب القتل معلوم ہوتی ہیں کیونکہ انہوں نے غلام حر کی مقتولہ گائے جیسا کوئی سودمند اقدام نہ اٹھا کر ادب کا کس قدر نقصان کیا ہے۔ کتنے ہی مسودے جو گاؤ خورد ہونے کے قابل تھے ان گایوں کی نااہلی کی وجہ سے زیور طباعت سے آراستہ ہو کر عروسِ ادب کے چہرے کو داغدار کر رہے ہیں اور ان گایوں کی فرض ناشناسی کے نتیجے میں کتنے ہی مسودے اور بیاضیں موجود ہیں جنہیں درجنوں غلام حمد (غلام حُر میانوالوی سے معذرت کے ساتھ) مشاعروں کے دوران پگھلے ہوئے سیسے کی مانند سامعین کے کانوں میں انڈیلتے ہیں۔

میں ادبی تنظیموں سے گزارش کروں گا کہ مذکورہ گائے کو اس عظیم کارنامے پر بعد از شہادت کوئی ایوارڈ عطا کریں' نیز اس محسنہ ادب گائے کی کوئی یادگار وغیرہ تعمیر کرائیں۔

غلام حر کی اس آزاد منش گائے نے اپنی جان قربان کر کے سرائیکی ادب پر جو

احسانِ عظیم کیا ہے وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ آج کل جس قسم کی سرائیکی شاعری ہو رہی ہے یہ بات میں اسی تناظر میں کہہ رہا ہوں۔ ادبی تنظیمیں میری اس گزارش کا نوٹس لیں یا نہ لیں، اس جاں سپار گائے کا یومِ شہادت منائیں یا نہ منائیں اسے اس کی حاجت بھی نہیں۔

صلۂ شہید کیا ہے تب و تابِ جاودانہ

جنابِ غلام حر مجھے آپ کے تخلیقی اثاثے کے ضیاع پر افسوس ہوتا لیکن آپ نے طیش میں آ کر گائے کو ذبح کر کے خود کو کسی ہمدردی کے قابل نہیں چھوڑا۔ یہی مسودہ آپ کی زوجۂ محترمہ غلطی سے چولہے میں جھونک دیتیں یا کسی ردی والے کے ہاتھ فروخت کر دیتیں (کتنی شاندار غلطی ہوتی)، یہ مسودہ محکمۂ ڈاک کھا لیتا، آپ کا پبلشر ہضم کر لیتا تو کیا آپ ان کے پیچھے بھی خنجر بدست نکل کھڑے ہوتے۔ جو کام آپ نے کیا اس کی ''غلام حر'' سے ہرگز توقع نہیں کی جا سکتی، البتہ آپ کے نام میں غلام کے ساتھ حر کی بجائے اس سے تھوڑا سا ملتا جلتا اور تاریخی مناسبت سے متضاد نام جڑا ہوتا تب آپ اس معصوم گائے کا خون کر دیتے تو شاید ہم صبر شکر کر لیتے۔ آپ نہیں سمجھے چلیں وضاحت کر دوں وہ جو حضرت جوش ملیح آبادی نے کراچی کے ایک کمشنر کے بارے میں فرمایا تھا

زیدی میں سارے حرف ہیں شامل یزید کے
ہاشم رضا میں شمر ہے پورا چھپا ہوا

حضرت غلام حر آپ عرصہ دراز سے سعودیہ میں مقیم ہیں، یقیناً معاشی طور پر خوشحال ہوں گے، میانوالی میں آپ کے گاؤں کے سینکڑوں لوگ آپ کو جناب حاجی صاحب کہہ کر سلام کرتے ہوں گے، اس خارزارِ شعر و سخن میں اتر کر عزتِ سادات گنوانے کا مشورہ نامعلوم آپ کو کس جاہل نے دیا ہے؟ فرض کریں آپ کا مسودہ سلامت رہتا، آپ زرِ کثیر صرف کر کے اسے چھپوا بھی لیتے مگر آپ اس کی اشاعت کیسے کرتے۔ چند دوستوں کو جو کتابیں آپ نیک خواہشات اور اپنے دستخطوں کے ساتھ عنایت کرتے وہ اس انداز میں قبول کرتے گویا آپ پر احسان فرما رہے ہوں، اور جب کسی روز آپ کی نیک خواہشات والے ورق میں پکوڑے پیک ہو کر آپ کے گھر آتے تو آپ کے دل پر کیا گزرتی؟ کوئی سیٹھ ہمسایہ آپ کے گھر کتابوں کے بنڈل دیکھ کر جب آپ سے کہتا میری دکان پر دو چار

بوریاں بھجوا دیں دس روپے دھڑی بکوا دوں گا تو آپ کی کیا کیفیت ہوتی اور پھر پرانے، گرگ باراں دیدہ شاعر آپ کو کبھی شاعر تسلیم نہ کرتے، آپ ان کے حلقے میں جاتے تو جو حشر وہ آپ کا کرتے آپ شاعری سے تائب ہو جاتے اور جدہ میں پلمبری آپ کو اس شاعری کے مقابلے میں پیغمبری لگتی۔ ایک حلقے والے حشیش نہ پینے اور مذہب کی تذلیل نہ کرنے پر آپ کو رجعتی قدامت پرست غیر ادبی اور جاگیردارانہ رویے رکھنے والا نو دولتیا کہتے۔ مخالف حلقے والے آپ کو اسلام دشمن، دہریہ اور چرسی کہہ کر یاد کرتے، کبھی کوئی شاعرہ آپ پر جنسی جنونی، فرسٹریٹڈ اور مجسم ہوس ہونے کا الزام دھرتی۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ آپ نے کسی شاعرہ کو منہ بولی بہن بنایا ہوتا اور دیگر شعرائے کرام اس کے ساتھ، اس رشتے کے علاوہ آپ کے ہر قسم کے رشتے جوڑتے۔

تو سائیں اب بھی وقت ہے مرحومہ کی روح سے معافی مانگیے، کچھ صدقہ خیرات کیجیے اور آئندہ کے لیے شاعری سے باز آئیے۔ بہتر ہے عرب شریف لوٹ جائیے۔ اگر آپ اپنے حق حلال سے کمائے ہوئے ریال ہر صورت میں ادب پر ضائع کرنا چاہتے ہیں تو سعودیہ میں مشاعرے کرائیے، یہاں ٹکٹ بھیج کر مشاعرہ باز شعراء کو وہاں بلوائیے، آپ کی خاصی عزت بنے گی، ایک ادب پرور مخیر شخصیت کی شہرت سے نوازے جائیں گے۔ ادبی رسائل آپ کی تصاویر اور انٹرویوز چھاپیں گے...... ذرا نوٹ فرما لیں میرا ارادہ بھی ایک ادبی ہفت روزہ نکالنے کا ہے اور میں آپ پر خصوصی سپلیمنٹ چھاپنے کی خواہش رکھتا ہوں اور ہاں میں شاعر بھی ہوں مشاعرہ مافیا کے ماجد خیام ماجد، بقاء اللہ کاظمی، ساجد مسعود خان اور ڈاکٹر منعم الدین واجد وغیرہ کے پائے کا شاعر ہوں۔

چند اشتہارات

(1) ڈاکٹرز درکار ہیں

ہماری ہربل دواساز کمپنی کو اپنی درج ذیل پراڈکٹس کی وسیع پیمانے پر فروخت کے لیے کوالیفائیڈ ایم بی بی ایس ڈاکٹروں کی ضرورت ہے جو ان ادویہ کو دھڑا دھڑ اپنے نسخوں میں تجویز کرسکیں' سپیشلسٹ حضرات کو ترجیح دی جائے گی۔

1- شربت پھیپھڑولین — کھانسی اور دمہ کے لیے
2- شربت لکڑین' پتھرین' ہاضمین — جملہ امراض معدہ کے لیے
2- کیپسول نامردین — جنسی کمزوری کے لیے
4- کیپسول نرینان اولادین — بے اولادی کے لیے

ہر 5 ہزار آئٹم کی سیل پر ایک عدد سوزوکی کار اور دس ہزار پہ ایک کرولا ہدیتاً ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔ نیز بیرونِ ملک تفریحی دورہ کی سہولت بھی مہیا کی جائے گی۔ جعلینوس اینڈ کز نیز ہربل فارماسیوٹیکل کالا شاہ کاکو۔

(2) ٹینڈر نوٹس

دریائے سندھ پر ایک عدد غیر مستحکم پل کی تعمیر کے لیے انتہائی مستحکم پارٹیوں سے پیشکشیں مطلوب ہیں۔ تمام پیشکشیں بمعہ مناسب تحفہ تحائف زیر دستخطی کی رہائش گاہ پر فراہم کرنا ہوں گی۔ رات نو بجے سے بارہ بجے تک بالمشافہ ملیے۔ منظوری ٹینڈر کے بعد

کامیاب ٹھیکیدار کو کسی بھی طرح پریشان نہیں کیا جائے گا' منصوبے کی کوئی مدت تکمیل مقرر نہ کی گئی ہے' کوئی بھی سرکاری اہلکار موقع پر میٹریل چیک کرنے یا کوالٹی کنٹرول کے نام پر کسی قسم کا ڈرامہ کرنے کی کوشش کرے تو ٹھیکیدار صاحب کو اپنے بندوں سے اس کی پھینٹی لگوانے اور کھنے سینکنے کا پورا حق حاصل ہوگا۔ یہ محکمہ پل کو جہاں ہے جیسے ہے کی بنیاد پر ٹیک اوور کرنے کا پابند ہوگا اور ٹھیکیدار پر پل کی پائیداری کے ضمن میں کسی قسم کی کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔

المشتہر

خان خوش خوراک خان خٹک ایس ای شاہرات کوٹھی نمبر 10 ڈیفنس سوسائٹی
سٹی اے بی سی

(3) ضرورت رشتہ

بیرون ملک مقیم کروڑوں ڈالر کے سوئس اکاؤنٹ ہولڈر سیاستدان کے لیے سیاسی گھرانے سے تعلق رکھنے والی مالدار' خوبصورت' سوشل' بولڈ اور پابند رقص و سرود لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ لڑکی ترجیحاً فیوڈل پس منظر رکھتی ہو اور نام نہاد مشرقی روایات سے باغی ہو۔ سیاستدان مذکور اور ان کے سرمایہ کو مکمل تحفظ حاصل ہے اور امریکہ بہادر کا دست شفقت ان کے سر پر ہے' ان کے سر کے تمام بال سلامت ہیں' شاہکار مردانہ وجاہت ہیں نیز پابند جام و مینا ہیں۔ بلا جھجک رابطہ کیجیے۔

پیر عنایات حسین شاہ ونڈسر مملکت برطانیہ

(4) ضرورت نمائندگان

ہمیں اپنے دوپہر کے چیختی چنگھاڑتی' سرخیوں' چٹخارے اور مصالحے دار خبروں اور پرکشش رنگین تصاویر سے مزین' سکینڈلوں سے بھرپور اخبار کی سرکولیشن اور اشتہارات کے لیے ہر چھوٹے بڑے شہر سے نمائندگان درکار ہیں' خبریں بھجوانے کی زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی۔ امیدواران درخواست کے ساتھ دس ہزار روپے کا بنک ڈرافٹ ارسال کریں۔ سال میں دوبار اپنے علاقے کے سپلیمنٹ کے لیے دس ہزار روپے کے اشتہارات فراہم کرنا

ہوں گے۔ نیز تعلیم، جنس، کردار، تجربہ کی کوئی قید نہیں۔ تمام نمائندگان کو پولیس تھانے اور سرکاری دفاتر میں رعب داب کے لیے زرد رنگ کے خوبصورت خصوصی کارڈ جاری کیے جائیں گے۔ بذریعہ قرعہ اندازی پانچ سوزوکی کاریں، دس موٹر سائیکلیں، پچاس موبائل فون اور سینکڑوں دیگر انعامات کامیاب نمائندگان میں تقسیم کیے جائیں گے۔

چیف ایڈیٹر روزنامہ زرد صحافت پچو کی ملیاں

(5) ضرورت کل وقتی کارکنان

ہماری جماعت کو جلسوں کی رونق بڑھانے، نعرے لگانے، نیز مخالفین کی پھبتی لگانے کے لیے معقول مشاہرے پر کل وقتی کارکنان کی ضرورت ہے۔ نعرے بازی اور ہنگامہ آرائی کا دس سالہ تجربہ لازمی ہے۔

ہر قسم کے مروجہ ہتھیاروں سے شناسائی ضروری ہے۔ سزا یافتہ اور پولیس ریکارڈ رکھنے والوں کو ترجیح دی جائے گی۔ ہاتھ پاؤں توڑنے اور اغوا کی وارداتوں میں ملوث امیدواروں کے لیے پارٹی سیکرٹریٹ کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں۔ تمام امیدواروں کو ماہر امراض ناک کان گلا سے گلے کی فٹنس کا سرٹیفکیٹ لانا ہوگا۔ اپنے خلاف درج ہونے والی ایف آئی آرز کی نقول اور اخباری خبروں کے تراشے ہمراہ لائیں۔ تعلیم یافتہ حضرات درخواست دینے کی زحمت گوارہ نہ کریں۔

انجینئر عبدالظاہر جغادری چیئرمین تحریک خواص پاکستان اسلام آباد روڈ

پیچہ وطنی

سبق آموز حکایات

’’ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ چاند، سورج اور جھاچوہا آپس میں بھائی تھے۔ سورج دن بھر ماں کی دیکھ بھال کرتا تھا، ماں کی دعا سے اسے دن کو روشنی پھیلانے والا بنا دیا گیا، چاند راتوں کو جاگ کر ماں کی خدمت کرتا تھا اسے رات کا نور بنایا گیا جبکہ جھاچوہا دن کو اس خوف سے چھپ جاتا تھا کہ مبادا ماں کوئی کام بتا دے اور رات کو ماں کے لیے رکھا گیا دودھ پی کر اندھیرے میں گھومتا رہتا تھا۔ چنانچہ ماں کی بد دعا سے کالا کنڈیالا چوہا بن گیا یوں رات کو تاریکی میں ٹامک ٹوئیاں مارتا پھرتا ہے۔‘‘

’’واہ کیا شاندار حکایت ہے، چاند سورج اور جھاچوہا ایک دوسرے کے بھائی تھے، یہ بتاؤ شکوہ، جواب شکوہ اور دارا شکوہ ایک دوسرے کے کیا لگتے تھے۔‘‘

’’ٹھٹھا اڑا رہے ہو میرا، یہ قدیم حکایات بھلے غیر سائنسی ہوں ان میں ایک سبق پوشیدہ ہوتا ہے، یہ بے معنی ہرگز نہیں ہوتیں...... ایک اور حکایت سنو، ایک تھا ابابیل۔‘‘

’’ابابیل تھا یا ابابیل تھی۔‘‘

’’یار ابابیل پرندہ ہوتا ہے، جوڑا بناتا ہے جو نر ہو تو ابابیل تھا اور جو مادہ ہو تو ابابیل تھی۔‘‘

’’اچھا تو ابابیل تھا۔‘‘

’’ہاں تو ابابیل ایک سرد علاقے میں رہتا تھا، موسم سرما کے آغاز سے ہی جب

باقی ابابیل گرم علاقوں کی طرف ہجرت کرنے لگے تو ہمارے اس توکل پسند‘ قناعت پسند‘ سادھو اور فقیر ابابیل نے ہجرت کرنے سے انکار کر دیا۔ سردیاں آئیں وہ دن بھر دھوپ میں نکل کر چہچہاتا رہتا رات کو کسی کھو میں چھپ جاتا‘ لیکن جب سردی کی شدت میں اضافہ ہوا برف پڑنے لگی۔ کھانے کو کچھ نہ رہا تو اس نے مجبوراً جنوب کی سمت پرواز شروع کی...... اس کے پروں پر برف جمنے لگی اور وہ برف کا ایک گولہ بن کر دھڑام سے ایک مویشی خانے میں جا گرا‘ ایک گائے نے اس کے اوپر فراغت حاصل کر لی۔ ابابیل نے کہا اب تو مر ہی گیا لیکن گوبر کی گرمی سے برف پگھلنے لگی‘ ابابیل کو حرارت ملی‘ اس کی رگوں میں جمنے والا خون گردش کرنے لگا وہ خوشی سے چہچہا اٹھا۔ ایک بلے نے یہ نغمہ سنا تو وہ آواز کے منبع کی سمت بڑھا اور اپنے پنجوں سے گندگی کو ہٹایا‘ ابابیل خوش ہوا کہ اسے گندگی سے نکالا جا رہا ہے اور آزادی بخشی جا رہی ہے لیکن بلے نے جھپٹ کر اسے نگل لیا۔“

”اب تم کہو گے کہ اس حکایت میں بھی کوئی سبق پوشیدہ ہے۔“

”بالکل...... ایک نہیں تین اسباق ...... پہلا...... یہ کہ جو آپ پہ گندگی پھینکے ضروری نہیں وہ آپ کا دشمن ہو...... دوسرا...... جو آپ کو گندگی میں سے نکالے ضروری نہیں وہ آپ کا دوست ہو...... تیسرا...... جب آپ گندگی کے ڈھیر میں محفوظ‘ گرم اور خوش ہوں تو اپنا منہ بند رکھیں۔“

”واہ میرے دانشور اب باقی کی حکایات بھی جلدی سے سنا ڈالو تا کہ میں تمہیں لقمان کا ہم پلہ سمجھ کر تمہارا احترام کرنا شروع کر دوں۔“

”ایک حکایت اور ہے...... حسب حال...... سناتا ہوں...... لیکن میں نہ تو کوئی دانشور ہوں اور نہ تم سے کوئی احترام چاہتا ہوں...... سنو...... دس سردار صاحبان تھے۔“

”کن قبائل کے سردار۔“

”نہیں ہمارے والے نہیں‘ سکھ سردار تھے‘ خالصے مہاراج‘ وہ ایک میلے میں گئے وہاں انہوں نے دبا کر دارو چڑھائی اور وہاں خود سے زیادہ طاقتور اور تعداد میں بھی زیادہ ایک گروہ کے ساتھ جھگڑا کر بیٹھے۔ جھگڑا خونریزی کی صورت اختیار کر گیا...... چنانچہ جب دس میں سے آٹھ سردار مارے گئے تو بقیہ السیف دارا سنگھ نے جھارا سنگھ سے کہا بھائی عقل

مند کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے اب بھاگنا چاہیے۔“

”اس میں کیا سبق پوشیدہ ہے۔“

”بس یہی کہ نشہ کسی بھی قسم کا ہو وبال جان ہوتا ہے اور عقل مند کو اشارے سمجھنے میں بہت زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے۔“

”لیکن یہ سب تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟“

”کیونکہ تم بھی مختلف قسم کے نشوں سے سرشار ایک قوم کے فرد ہو جو اشارے سمجھنے میں خاصی دیر کرتی ہے۔“

توبہ کی عمر

''السلام علیکم! آپ شیخ امیر علی دولتی ہی ہیں نا۔''

''جی ہاں آپ نے صحیح پہچانا۔''

''سر ہم آپ کے پرانے چاہنے والوں میں سے ہیں لیکن پہچاننے میں دقت اس لیے ہوئی کہ ہم اخبارات اور ٹیلی ویژن پر آپ کو کلین شو اور سوٹ ٹائی میں دیکھتے آ رہے ہیں۔''

''جی بس بہت کر لی دنیاداری' اب سوچا اللہ سے لو لگائیں' سو شرعی ریش بڑھالی' مغربی لباس ترک کر دیا' تمام امورِ دنیا بچوں نے سنبھال لیے' دعا کیجیے اللہ تعالیٰ ہمیں ثابت قدم رکھے' آپ سے بھی گزارش ہے کہ دین کے راستے پر آ جائیے' بہت سکون ہے اس میں۔ ہم تو بہت دیر میں آئے آپ آ ہی جائیے در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبراں'' ......

''دعا کیجیے شیخ صاحب اللہ تعالیٰ توفیق دے' ویسے آج کل آپ کس پارٹی کے ساتھ وابستہ ہیں؟''

''چھوڑ چھاڑ دیا سب کچھ' اب تو بس حزب اللہ میں ہیں۔''

''اور صاحبزادگان۔''

''بھئی آپ تو سمجھتے ہیں نا دورِ حاضر کے سیاسی تقاضے' انہیں ہم نے مختلف جماعتوں میں شامل کر دیا ہے' ایک اسلامی پارٹی میں ہے' ایک عوامی پارٹی میں ہے' ایک مقامی پارٹی میں ہے جبکہ بڑا سرکاری پارٹی میں ہے' آج کل الحمدللہ صوبائی مشیر ہے۔''

''تو سیاست سے ریٹائر ہو گئے' کاروبار سنبھال لیا ہو گا۔''

''میں نے عرض کیا ناں سب کچھ چھوڑ چھاڑ دیا' اب تو اوڑھنا بچھونا دین ہی ہے۔ بہت کام کیا جوانی میں اب تھک چکے ہیں...... چھوٹی سی کپڑے کی دکان سے آغاز کیا تھا' اللہ نے بہت عطا کیا' دو ٹیکسٹائل ملیں ہیں' ایک شوگر مل ہے' ایک گھی مل ہے' 1500 ایکڑ زرعی اراضی ہے' دو تھری سٹار ہوٹل ہیں' ایک شاپنگ مال ہے' دو تین ہاؤسنگ کالونیاں ہیں' دس پٹرول پمپ ہیں' ایک ٹرانسپورٹ کمپنی ہے' اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے' اس کا دیا بہت کچھ ہے ...... بچوں نے سب کچھ سنبھال لیا ہے۔''

''ماشاءاللہ بہت ہونہار صاحبزادگان ہیں' سیاسی فیصلے خود ہی کرتے ہوں گے''

''ارے نہیں صاحب' سیاسی امور میں تو انہیں مکمل طور پر میں ہی چلاتا ہوں' بچے ہیں ابھی میں نے ہی تو انہیں بھیجا ہے عوامی' اسلامی اور مقامی پارٹیوں میں' پچھلے ماہ حکومت سازی ہو رہی تھی اور میں دینی اجتماع میں گیا ہوا تھا' وہیں حضرت جی کے بیان کے درمیان میں میں نے موبائل پر بڑے کو ہدایت دی کہ فوراً سرکاری پارٹی میں شامل ہو جائے' اللہ نے بصیرت عطا کی اور الحمدللہ درست فیصلہ کر دیا اب وہ صوبائی مشیر ہے۔''

''لیکن شیخ صاحب سرکاری پارٹی نے بہت غیر اخلاقی ہتھکنڈے استعمال کیے حکومت بنانے میں اور اب بھی ان کی بہت سی پالیسیاں نامناسب ہیں بعض تو غیر شرعی بھی ہیں' آپ کے صاحبزادے کا ایسی جماعت کے ساتھ شریکِ اقتدار رہنا کچھ......''

''عزیزم آپ زمینی حقائق کو مدنظر رکھیے' اخلاقیات ہماری سیاست میں رہیں کہاں اور پھر سو معاملات ہوتے ہیں' سو مسائل ہوتے ہیں' واپڈا ہے' ٹیلی فون ہے' پولیس ہے' ایکسائز ہے' سب سے بڑھ کر یہ نامراد انکم ٹیکس ہے' اس لیے صاحبِ اقتدار میں حصہ ضروری ہوتا ہے۔''

''سنا ہے آپ کے بڑے صاحبزادے نے گزشتہ دنوں غریب لوگوں کی ایک آبادی مسمار کر کے ناجائز کالونی تعمیر کر لی' آپ نے منع نہیں کیا۔''

''خدا حاسدین کو برباد کرے بے پر کی اڑاتے رہتے ہیں' ہمیں بدنام کرتے ہیں' شہر کے بارونق ترین علاقے سے متصل سرکاری اراضی تھی جس پر جرائم پیشہ لوگوں اور

خانہ بدوشوں نے ناجائز قبضہ جما رکھا تھا' بدنما جھونپڑیاں بنائی ہوئی تھیں' گندگی پھیلاتے تھے' اتنا تعفن تھا کہ قرب و جوار کے شریف شہریوں کا جینا محال تھا' ہم نے یہ سب گندگی ہٹا کر وہاں ایک صاف ستھری کالونی تعمیر کی ہے' صفائی نصف ایمان ہے' ہم نے تو نیکی کا کام کیا ہے۔''

''اور جو غریب لوگ بے گھر ہوئے وہ۔''

''وہ بھی تو ناجائز قابضین تھے اور پھر ان کا کیا ہے کہیں اور جھونپڑیاں ڈال لیں گے' ابھی خاصی سرکاری اراضی پڑی ہے مضافات میں...... آپ کسی پریس رپورٹر کی طرح سوالات پوچھے جا رہے ہیں' اپنے بارے میں بتایئے آپ کا کیا شغل ہے۔''

''جی میں کسٹمز میں آفیسر ہوں۔''

''ماشاء اللہ' ماشاء اللہ' کسٹم والوں سے تو ہماری خاصی یاد اللہ رہتی ہے' کبھی تشریف لایئے غریب خانے پر' صاحب ہمارے ساتھ تعلق رکھیے کبھی خسارے میں نہیں رہیں گے...... ارے ہاں یاد آیا آج رات ہمارے ہوٹل میں ہماری پیسٹی سائیڈ فرم کا لکی ڈرا ہے' ڈنر ہے' محفل رقص و موسیقی ہے' ملک کی معروف رقاصائیں شرکت کر رہی ہیں' آپ پلیز آج رات ہمارے مہمان بنیے' میں تو خیر وہاں نہیں ہوں گا' منجھلے سے کہہ دوں گا آپ کو لے جائے گا اور انٹرٹین کرے گا اور لکی ڈرا میں کسی ڈیلر کا کوپن غائب کر کے آپ کے شایانِ شان آپ کا کوئی انعام بھی نکال دیں گے۔''

''سر کچھ دیر پہلے آپ کہہ رہے تھے کہ میں دین کے راستے پر آ جاؤں اور در جوانی توبہ کردن......''

''ارے میاں ابھی تو آپ بچے ہیں' ابھی تو آپ نے دنیا کے رنگ بھی نہیں دیکھے پوری طرح' بڑی عمر پڑی ہے ترکِ دنیا کے لیے ہماری عمر میں توبہ کر لیجیے گا۔''

ایک ایف آئی آر

من مقر ہیبت خان اے ایس آئی تھانہ دہشت پورہ مسلح بہ ریوالور ہمراہ کانسٹیبلان جابر خاں' 420C اور بہرام خاں 377C ہر یک مسلح بہ ڈانگ وجلاد خان تفتیشی 302HC مسلح بہ آٹو میٹک رائفل 303 معمول کی پیدل گشت پر تھے۔ جب ما گشتیاں چوک رہزناں سے بازار جیب تراشاں کی جانب مڑ رہے تھے تو ایک پولیس مخبر (جس کی شناخت پوشیدہ ہے) خبر لایا کہ ایک راس عورت کہ سمگلر منشیات ہے اور ملبوس در برقعہ سفید ٹوپی دار وسیاہ شلوار' سرخ سینڈل اور سرخ ہی جرابیں اور بھاری بھرکم وجود ایک کھیپ چرس کے ساتھ قریب نصف گھنٹہ بعد اس طرف آنے والی ہے' اس کی منزل کی خبر مخبر کو نہ ہے اور نہ ہی یہ علم ہے کہ وہ چرس مذکورہ کہاں سے لا رہی ہے۔ من مقر نے مخبر مذکور کا بے حد شکریہ ادا کیا اور اسے جیب خاص سے دس روپے کرنسی رائج الوقت کہ نصف جن کے پانچ روپے ہوتے ہیں بطور شاباشی چائے بوتل کے لیے دیئے اور کانسٹیبل بہرام خان 377C کو فوری طور پر ایک عدد کرایہ کی بائیسکل کیریئر والی پر تھانہ روانہ کیا تا کہ وہ واحد لیڈی کانسٹیبل متعینہ تھانہ مسماۃ حرافہ پروین 109C کو لے کر آئے تا کہ ممکنہ ملزمہ کی جامہ تلاشی میں دقت پیش نہ آئے اور خود پوزیشنیں سنبھال لیں۔ جلاد خان تفتیشی کو المرگ میڈیکل سٹور میں بٹھا دیا' سپاہی ہیبت خان کو حکیم غلام لقمان وہمی کے المشہور دواخانے میں بٹھایا جبکہ خود سر تراش خان حجام کی دکان کے اندر بیٹھ گیا۔ کوئی دس منٹ بعد سپاہی بہرام خان کانسٹیبلہ حرافہ پروین کو لے کر آ گیا' بہرام خان کو چوک میں کھڑا ہونے کو کہا جبکہ کانسٹیبلہ مذکورہ کو اپنے پاس بٹھا لیا اور اسے سختی سے ہدایت کی

کہ وہ اپنی اون سلائیاں پرس میں ڈال لے۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد یعنی 8.20 بجے شب چوک میں سے الو کے بولنے کی آواز آئی' یہ مقرر کردہ سگنل تھا جو سپاہی بہرام خان دے رہا تھا عام حالات میں بھی مذکور خاصا الوصفت انسان ہے یعنی ہوشیار اور چوکس۔

سگنل ملتے ہی ہم سب اپنی کمین گاہوں سے باہر نکلے اور اوپر بیان کردہ لباس اور برقعے میں ملبوس بھاری بھرکم سمگلرہ کو گھیرے میں لے کر Secure کرلیا۔ کانسٹیبلہ حرافہ پروین 109C نے مذکورہ کی جامہ تلاشی لی اور اس کے بالائی اعضائے پوشیدنی سے چرس خالص عمدہ کوالٹی کی دو عدد تھیلیاں برآمد کرلیں' چوک میں واقع الحاج عبدالشکور ڈنڈی مار کریانہ مرچنٹ کے ترازو پر تولا گیا تو وزن دو کلوگرام اور 575 گرام پایا گیا۔ ازاں بعد دس دس گرام چرس دونوں تھیلیوں میں سے نکال کر برائے ملاحظہ و معائنہ جناب کیمیکل ایگزامینر صاحب بہادر پارسلان میں ڈال کر سیل کی گئی اور باقی جمع مال خانہ کردی گئی۔

سمگلرہ مذکورہ کی شناخت بحیثیت مسرت شاہین المعروف شانو کپتی کے ہوگئی۔

موقع پر عوام کا جم غفیر اکٹھا ہوگیا۔ من مقر نے اعلان کرکے کہا کہ آپ سب عوام کالانعام نے چرس کی برآمدگی اپنی گناہگار آنکھوں سے دیکھی لہٰذا دو شرفا آگے آجائیں تاکہ انہیں گواہ بنایا جاسکے' جس پر مجمع منتشر ہوگیا' بااثر سمگلران کے خوف کی وجہ سے کوئی بھی شہادت حق و سچ کے لیے آمادہ نہ ہوا چنانچہ بندہ نے مجبوراً حوالدار جلاد خان تفتیشی اور سپاہی جابر خان کی گواہی درج کرلی جو کہ دونوں انتہائی صالح اور پرہیزگار افراد ہیں اور عرصہ دس سال سے ایسے کیسوں میں گواہ بنائے جارہے ہیں۔ نقل ایف آئی آر ایک عدد برائے آفس ڈی پی او صاحب بہادر فی الفور روانہ کی جارہی ہے۔ اوپر بیان کردہ تمام واقعات بندہ کے انتہائی علم کے مطابق بالکل درست ہیں۔

دستخط
ہیبت خان اے ایس آئی
تھانہ تشدد پورہ

تحریر کردہ
منشی (قلم) گھسیٹا خان
محرر تھانہ 309HC
بوقت 8.40 شب

روحانیات ونفسانیات (1)

(اس کالم میں الحاج جی آر روحانی آپ کے روحانی اور نفسیاتی مسائل کا حل تجویز کرتے ہیں)

س:۔ میری شادی تین سال قبل میرے چچازاد کے ساتھ زبردستی کردی گئی جو عمر میں مجھ سے تیرہ سال بڑے ہیں اور انتہائی بدصورت اور بدزبان ہیں' مالی لحاظ سے بھی کچھ خاص خوشحال نہیں ہیں میں انتہائی خوبصورت' خوش گفتار' دراز قد' خوش اطوار لڑکی ہوں' میری عمر بیس سال ہے۔ حال ہی میں ہمارے گھر کے سامنے ایک فیملی آئی ہے' ان کا ایک لڑکا خوش شکل' محکمہ انکم ٹیکس میں ملازم اور غیر شادی شدہ ہے' وہ میرے دل کو بھا گیا ہے' سنا ہے وہ بھی مجھے پسند کرتا ہے اور شادی پر بھی آمادہ ہوجائے گا' بتائیے میں کیا کروں۔

(ط ظ ع۔ ملتان)

ج:۔ محترمہ ط ظ ع' اب آپ ایک بیاہتا خاتون ہیں' آپ کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ اڑوس پڑوس کے چھچھورے نوجوانوں سے متاثر ہوں اور انہیں دل تک دے بیٹھیں۔ یہ انتہائی بری بات ہے۔ اس لڑکے سے اس طرح بچیئے جس طرح سانپ اور بچھو سے بچا جاتا ہے' کوشش کیجیے کہ وہ آپ کو اور آپ اسے نہ دیکھ پائیں۔ اپنا مکمل پتہ بمعہ چند تازہ تصاویر کے ارسال کیجیے۔ میرا فون نمبر 419420 ہے' کسی بھی رات 9 بجے کے بعد اپنا مسئلہ تفصیل کے ساتھ فون پر بتاسکتی ہیں اور ہاں اگر آپ کے پاس انٹرنیٹ کی سہولت ہو تو میرا ای میل ایڈریس نوٹ کرلیں smartboy22@hohoo.com

س:- گزشتہ دس سال سے کریانہ کی دکان کرر ہا ہوں' میری دکان کے سامنے ٹھیلا اور چھابہ لگانے والے تھوک کے بیوپاری بن گئے ہیں جبکہ میری حالت جوں کی توں ہے' کوئی عمل بتائیے کہ میں بھی تھوک کا بیوپاری بن جاؤں۔

(زردار خان ۔ لورالائی)

ج:- محترم زردار خان' آپ زحمت کیجیے ایک اور خط لکھیے جس میں تھوک کے بیوپاری کی وضاحت ہو' تھوکنا منع ہے۔ جگہ جگہ مت تھوکیے' تھوکنے سے بیماریاں پھیلتی ہیں' اپنا تھوکا چاٹنا' چاند کا تھوکا اپنے منہ پر' یہ چیزیں تو میں نے سن رکھی ہیں' تھوک کے بیوپار کے بارے میں اپنی کم مائیگی کا اظہار کرتے ہوئے میں بے حد شرمندہ ہوں۔

س:- روحانی صاحب میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے رات کو نیند نہیں آتی' کئی قسم کی خواب آور گولیاں آزما چکا ہوں' اس حد تک تنگ آ گیا ہوں کہ اکثر خودکشی کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ ازراہِ کرم میری مدد فرمائیے۔

(بیدار بخت خان ۔ مردان)

ج:- عزیزی بیدار بخت تم اتنے مایوس کیوں ہو' تم جانتے ہو تمہاری پوری قوم سو رہی ہے' تم ان چند خوش قسمت لوگوں میں سے ہو جو جاگ رہے ہیں' جاگتے رہو' بیدار رہو' جاگنا زندگی ہے' نیند نصف موت ہے' جاگو عزیزم جاگو اور دوسروں کو بھی جگائے رکھو۔ تم نے لکھا ہے کہ تم اکثر خودکشی کے بارے میں سوچتے ہو' میں خودکشی پر ایک تحقیقی مقالہ لکھ رہا ہوں' تم نے کن کن طریقوں سے خودکشی کرنے کا سوچا تھا مجھے لکھ بھیجو' مزید طریقے سوچتے رہو اور مجھے لکھتے رہو شکریہ۔

س:- محترم روحانی صاحب میں ایک ورلڈ کلاس کرکٹر بننا چاہتا ہوں لیکن حال یہ ہے کہ مجھے کالج ٹیم تو درکنار اپنے کلاس اور محلے کی ٹیم کے لیے بھی سلیکٹ نہیں کیا جاتا۔ کہتے ہیں تمہاری نظر کمزور ہے جسمانی طور پر بھی فٹ نہیں ہو اور تمہارے ریفلکسز بھی کمزور ہیں' بتائیے میں کیا کروں۔

(خدا بخش عرف وسیم اکرم ۔ جام پور)

ج:- عزیزم خدا بخش آپ مبلغ سو روپیہ صرف بذریعہ منی آرڈر روانہ کر کے میری

کتاب ''تسخیر جنات و بھوتات'' منگوا لیجیے۔ اس میں سپورٹس سے متعلق جنات اور بھوتوں کو قابو کرنے کا عمل بھی دیا گیا ہے پھر دیکھئے آپ کس طرح دنیا کے نمبر 1 کرکٹر بنتے ہیں۔ چلہ کشی کے ساتھ ساتھ ملکی کرکٹ ٹیم کے کسی سلیکٹر کو تسخیر کرنے کی کوشش بھی کرتے رہیے۔

س:- محترم روحانی صاحب میری عمر بیس سال ہے میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں بولتے ہوئے ہکلاتا ہوں' بے حد پریشان ہوں خدارا مجھے اس اذیت سے نجات دلائیے۔

(ابوالکلام ۔ لاہور)

ج:- عزیزم آپ بلاوجہ پریشان ہیں' پریشان تو انہیں ہونا چاہیے جن کے سامنے آپ اپنا مافی الضمیر ظاہر کرتے ہیں اور جو آپ کے جھٹکے اور سکتے جھیلتے اور سہتے ہیں۔ خوش رہا کیجیے' یہ بتائیے کہ کیا آپ ہنستے اور روتے ہوئے بھی ہکلاتے ہیں۔ میں نے آج تک ہکلے کو ہنستے ہوئے یا روتے ہوئے نہیں سنا' یہ سوچ کر ہنس ہنس کر بے حال ہوا جا رہا ہوں کہ ہکلے ہنستے کیسے ہوں گے۔ بہرحال ہکلانے میں بنیادی مسئلہ زبان کا ہوتا ہے' ایسی تمام اشیاء سے پرہیز کریں جن کا ذائقہ زبان محسوس کرتی ہے اور تین چار سال تک بولنے سے بھی مکمل اجتناب کریں افاقہ ہوگا۔

س:- محترم روحانی صاحب میری شادی کو عرصہ پندرہ سال ہو چکے ہیں' میری بیوی انتہائی نافرمان' بدزبان اور ہتھ چھٹ ہے۔ گزشتہ ایک سال سے حقوقِ زوجیت کی ادائیگی میں بھی کاہل ہوتی جارہی ہے' میرا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا ہے میں کیا کروں۔

(ملک مظلوم حسین ۔ کالا شاہ کاکو)

ج:- محترم آپ کے خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حقوق زوجیت کی وصولی میں خاصے حریص واقع ہوئے ہیں۔ آپ اپنی زوجہ کی مبینہ نافرمانی' بدزبانی اور دست درازی عرصہ پندرہ سال سے برداشت کرتے آرہے ہیں اور اس پر آپ کو کوئی اعتراض نہیں تھا اور اب سال بھر سے جب اس کی حقوق مخصوصہ کی ادائیگی میں رغبت کم ہوئی ہے تو آپ آتش زیر پا ہو گئے ہیں۔ حرص چھوڑیئے اذکار اور اوراد اور تسابیح کو حرزِ جاں بنائیے' حرص مخصوصہ میں کمی کے لیے ایک نسخہ تحریر کر رہا ہوں...... برگ شیشم سبز پانچ کلو' برگ نیم دو کلو' تخم دھنیا نصف کلو' چھال کریلا 250 گرام' 5 لٹر آب حقہ میں ڈال کر ابالیں۔ ڈیڑھ لیٹر پچ

جائے تو اتار لیں اور سفید پارچہ ململ میں سے چھان کر پیپسی کولا ڈیڑھ لیٹر کی خالی بوتل میں بھر لیں۔ بوتل کو دھونے کی ضرورت نہیں پیپسی کا فلیور شامل ہو جائے گا۔ صبح شام نصف کپ ہمراہ گڑ سفید نوش جاں فرمائیں۔ ایک بوتل کے استعمال سے حرص مخصوص کا خاتمہ بالخیر ہو جائے گا' میرا ذاتی آزمودہ نسخہ ہے۔

س:۔ روحانی بابا ایک خواب کی وجہ سے سخت پریشان ہوں' گزشتہ ایک ماہ سے لگاتار ایک ہی خواب دیکھے جا رہا ہوں۔ میں ایک چمن زار میں بیٹھا مطالعہ کر رہا ہوں۔ ایک پری چولی اور گھاگھرے میں ملبوس میرے سامنے آ کر رقص کرنے لگتی ہے اور پھر بانہیں پھیلا کر مجھے اپنی طرف بلاتی ہے۔ میں بے اختیار اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہوں جیسے ہی میں اس کے نزدیک پہنچتا ہوں اس کے دراز ناخن سانپ بن جاتے ہیں اور پھن پھیلا کر مجھ پر حملہ آور ہوتے ہیں اور میں چیخ مار کر اٹھ بیٹھتا ہوں۔ منظر کی پوری تفصیل مجھے یاد ہوتی ہے اور میں اس کی تصویر بھی بنا سکتا ہوں' لیکن پری کا چہرہ مجھے یاد نہیں رہتا۔ اگرچہ ہر رات وہ مختلف رنگوں کے لباسوں میں ملبوس ہوتی ہے لیکن چہرہ یاد نہ ہونے کے باوجود میں بتا سکتا ہوں کہ وہ ایک پری ہے۔ میں اسے اس کی پرکشش ناف سے پہچان لیتا ہوں۔

(شبلی شب خیز۔ اسلام آباد)

ج:۔ عزیزم شبلی شب خیز سب سے پہلے تو میں یہ واضح کر دوں کہ میں بابا نہیں ہوں' بابا ایک تو بہت چھوٹے بچے کو کہتے ہیں دوسرا بوڑھے پھونس کو اور میں ان دونوں کیٹیگریز میں فٹ نہیں بیٹھتا۔ اب آیئے خواب کی طرف' یہ آپ کی شب خیزیوں کا کیا دھرا ہے۔ آپ دیر رات گئے تک جاگ کر انڈین ٹی وی چینل دیکھتے ہیں' سکرین پر تھرکتی نافیں دیکھنا بند کر دیجیے خواب آنا بند ہو جائے گا۔ یاد رکھیے زی ٹی وی' زی میوزک' زی سینما' صحارا' سٹار پلس' دوردرشن' بی فور یو' ای ٹی سی آپ کے لیے مہلک ہیں ان سے مکمل پرہیز کیجیے۔ ان کے علاوہ آپ کون کون سے چینل دیکھتے ہیں مجھے لکھ بھیجئے اور وہ ناف جو آپ بار بار دیکھتے ہیں بادی النظر میں ایشوریا کی لگتی ہے یا مادھوری کی' پوجا بترا اور کاجول کی بھی ہو سکتی ہے ضرور لکھیے گا بلکہ مجھے ناف کا سکیچ بنا کر بھیجئے۔

س:۔ میرے دُھلے ہوئے کپڑے زیادہ اُجلے نہیں ہوتے کئی صابن اور

ڈیٹرجنٹ آزما چکی ہوں۔ میرے شوہر اکثر مجھے ڈانٹتے رہتے ہیں' میرا خیال ہے میری ساس نے مجھ پر کوئی سفلی عمل کیا ہے۔

(اجالا پروین۔ کراچی)

ج:۔ آپ کا خیال سو فیصد حقیقت ہے' آپ کی حرافہ ساس نے ہی کسی سیاہ کار عامل سے آپ کے خلاف سفلی عمل کرایا ہے۔ سفلی عمل کے توڑ کے لیے بالمشافہ ملیے۔ جو جو ڈیٹرجنٹ اور صابن آپ استعمال کر چکی ہیں نمونے کے طور پر ان کا ایک ایک ڈبہ لیتی آیئے۔ ویسے آپ کپڑے دھوبی سے کیوں نہیں دھلواتیں یا کوئی مائی کیوں نہیں رکھ لیتیں۔ ایک اور بات بھی یاد رکھیے کہ اگر ڈیٹرجنٹ بدلنے سے مسئلہ حل نہیں ہوا تو ساس بدلی جا سکتی ہے اور یہ ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے ارادہ مضبوط کر لیجیے۔

روحانیات ونفسیانیات (2)

(ماہرنفسیات وعملیات الحاج جی آر روحانی)

س:- روحانی ڈارلنگ کیسے ہو؟ دیکھو میں تمہیں بابا نہیں لکھ رہا' مجھے پہچانا میں شبلی شب خیز ہوں میں نے تمہاری ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کی خواب آنا بند ہو گئے ہیں۔ نیند ہی نہیں آئے گی تو خراب کیونکر آئیں گے۔ ڈیئر کچھ ایسا کرو کہ خواب کا سیکنڈ ہاف آنا بند ہو جائے بس کسی طرح سانپوں کو نکال دو' ناف کا سکیچ بھیج رہا ہوں۔

ج:- شبلی صاحب آپ مجھے بابا لکھ سکتے ہیں' ڈارلنگ اور ڈیئر سے میرا کردار مشکوک ہو جائے گا' آپ کی خواہش کی تکمیل میرے بس سے باہر ہے یاد رکھیے جس طرح پھولوں کے ساتھ کانٹے ہوتے ہیں اسی طرح نافوں کے ساتھ سانپ بھی ہوتے ہیں' دونوں لے لیجیے یا دونوں چھوڑ دیجیے۔ سکیچ کا شکریہ سو فیصد ایشوریہ ہے۔

س:- محترم روحانی صاحب
اکڑ بکڑ بھمبھے بھو اسی نوے پورا سو؟ (خوشحال خان۔ پشاور)

ج:-

لالچ ہے اک بری بلا بات یہ پلے باندھ لو
ننانوے گرائے گا منہ کے بل کبھی نہ ہوگا پورا سو

س:- میری تاریخ پیدائش 31 جنوری ہے کیا میں فلمی ہیروئن بن سکتی ہوں۔
(فرح ناز۔ لاہور)

ج:- فلمی ہیروئن کے سلسلے میں تاریخ پیدائش کی نہیں جائے پیدائش کی اہمیت ہوتی ہے۔ خاص شہروں کے خاص محلے' خاص گھرانے...... سمجھ رہی ہیں نا آپ...... اگر خدانخواستہ آپ کا جنم ان مقامات پر ہوا ہے تو والدہ اکیڈمی سے تربیت جاری رکھیے آپ ضرور ہیروئن بنیں گی اور اگر آپ کا تعلق ان مقامات آہ وفغاں سے نہیں تو باز آئیے آپ پاکستان میں فلمی ہیروئن نہیں بن سکتیں۔

س:- میری عمر اکیس سال ہے' جسم نحیف ونزار ہے اور چہرہ زرد' دل بہت تیزی سے دھڑکتا ہے' اعتماد کے ساتھ بات نہیں کر سکتا' شاید بچپن کی غلط کاریوں کا اثر ہے' بے حد پریشان ہوں رہنمائی کیجیے۔

(معمر مرزا۔ کراچی)

ج:- آپ کی عمر اکیس سال ہے ماشاءاللہ' جسم نحیف ونزار ہے کوئی بات نہیں لحیم شحیم جسم سے تو بہتر ہوتا ہے۔ زرد چہرہ سیاہ چہرے سے بہت بہتر ہوتا ہے اور یہ اعتماد صاحب کون ہیں؟ آپ ان سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں' رہا دل...... تو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہی دھڑکنے کے لیے ہے۔ کتنا تیز دھڑک لے گا دھڑکنے دیجیے...... اور بچپن کا غلط کاریوں کے ساتھ کیا واسطہ؟ بچپن میں تو معصومیت ہی معصومیت ہوتی ہے' ساتھ شوخی بھی ہو تو سونے پہ سہاگا۔ یہاں بڑے اپنی غلط کاریوں کا اعتراف نہیں کرتے آپ بچپن کو مورد الزام ٹھہرائے جا رہے ہیں...... رہی بات پریشانی کی...... تو یہی آپ کا مسئلہ ہے۔ بلاوجہ پریشان رہنا چھوڑ دیں...... ہاکی کرکٹ' فٹ بال' عشق جو کھیل بھی پسند ہو کھیلئے...... خوش رہیے...... اور ہاں سب سے اہم بات مبلغ 100 روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کر کے ہمارا شباب ملی کورس ضرور منگوا لیجیے۔

س:- میں نے اس سال میٹرک کیا ہے فرسٹ ڈویژن میں' آگے پڑھنے کا بے حد شوق ہے جبکہ والدین آگے پڑھانا نہیں چاہتے کیا کروں؟

(نیک پروین۔ تونسہ شریف)

ج:- والدین کی فرمانبرداری کیجئے' آگے پڑھ کر آپ کیا کرلیں گی ...... مجھے دیکھئے تین مضامین میں ایم اے کیا ہوا ہے...... کیا ملا مجھے' ان پڑھ بیوی' تین ہزار روپلی ماہانہ تنخواہ اور جاہل لوگوں کے احمقانہ سوالات کے ساتھ مغز ماری...... بی بی سینا پرونا کھانا پکانا سیکھئے صوم وصلوٰۃ کی پابندی کیجیے۔ مبلغ 500 روپے بھیج کر ہمارا انٹرمیڈیٹ کورس المعروف فاضل کشیدہ کاری وخیاطی وطباخی منگوا لیجیے۔

س:- میں گرین کارڈ ہولڈر لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں' کوئی تیر بہدف عمل بتائیے۔

(کریم بخش بسمل۔مظفر گڑھ)

ج:- بہت آسان' جو لڑکی آپ کو پسند ہو اس کے ہاتھ میں ہرے رنگ کا ایک کارڈ پکڑوا دیجیے اور اس کے ساتھ نکاح کر لیجیے۔ اسے کہیے اس کارڈ کو ہر وقت پرس میں رکھا کرے...... خیر یہ تو مذاق تھا میری ایک جاننے والی ہیں بیگم پیچیدہ شاہ' ان کا میرج بیورو ہے اور ان کے پاس بلا مبالغہ سینکڑوں گرین کارڈ ہولڈر خواتین (گرین کارڈ ہولڈر لڑکیاں نہیں خواتین ہوتی ہیں) کے رشتے موجود ہیں۔ ان کی رجسٹریشن فیس پندرہ سو روپے ہے' تین رشتوں پر ایک رشتہ فری سپیشل ڈسکاؤنٹ آفر صرف اسی ماہ کے لیئے' جلدی کیجیے ورنہ عمر بھر بسمل رہیں گے۔

س:- میرے میکے کا تعلق دائیں بازو کے نظریات کی حامل جماعت سے ہے جبکہ سسرال کا بائیں بازو سے ووٹ کس پارٹی کو دوں۔

(نظیر بیگم۔فیصل آباد)

ج:- بی بی دائیں بازو کی جماعتیں ہوں یا بائیں بازو کی' نظریاتی بازو سب کے کٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ سب کا نظریہ ایک ہی ہوتا ہے اقتدار' ذرا محلے میں تعلقات بڑھائیے' کچھ ووٹ بینک بنائیے' انتخابات قریب آئیں تو مجھ سے رابطہ کیجیے گا' اچھے دام دلوا دوں گا۔

س:- خواب میں دیکھتا ہوں کہ ملک کا وزیر اعظم بن گیا ہوں تعبیر بتائیے۔

(غلام اعظم۔ڈیرہ غازی خاں)

ج:- میاں غلام اعظم اگر آپ بچے ہیں تو پھر یہ ایک بچگانہ خواب ہے' اگر بڑے ہیں اور غیر شادی شدہ ہیں تو آپ گھر داماد بننے والے ہیں' اگر آپ شادی شدہ ہیں تو لاشعور میں موجود بیگم کی غلامی وزارتِ عظمیٰ کی شکل میں عیاں ہو رہی ہے۔ ایک اور وجہ آپ کی حرص و ہوا بھی ہو سکتی ہے۔ قناعت پسندی کو شعار بنائیے' دوسروں کی جیبوں پر نظر مت رکھیے۔

آم...... نام نہاد بادشاہ

کہتے ہیں آم پھلوں کا بادشاہ ہوتا ہے' بس کہتے ہی ہیں' اس کی شاہی صفات آج تک کسی نے بیان نہیں کیں۔ میں نے خاصا غور وخوض کیا ہے مجھے تو اس میں کوئی شاہی صفت نظر نہیں آئی سوائے اس کے کہ جس طرح نادر شاہ شمشیر ابن شمشیر ابن شمشیر تھا اسی طرح آم بھی آم بن آم بن آم ہوتا ہے کبھی آم بن عام یا آم بن خاص نہیں ہوتا۔

کھانے بیٹھو تو منہ ہاتھ لتھڑ کے رہ جائیں' بندہ نہ کسی سے ہاتھ ملا سکے' نہ کسی کو منہ لگا سکے' نہ جسم کھجا سکے' ایک قطرہ لباس پہ ٹپک جائے تو عمر بھر داغ نہ جائے' اگر یہی بادشاہت ہے تو ہم لنڈورے بھلے۔

غور کیا جائے تو آم کی اخلاقیات بھی کوئی خاص بہتر نہیں' کرنسی کے بعد رشوت کے لیے استعمال ہونے والی دوسری بڑی جنس آم ہی ہے' کیا آپ جانتے ہیں کہ آم کے بعد تیسرا نمبر کس کا ہے؟ تو سنیئے اور سر دُھنیے...... قربانی کے بکرے......

آم کھانے کے جتنے بھی طریقے ہیں سبھی غیر مہذبانہ ہیں' مگر ایک طریقہ تو خاصا جنگلیانہ اور وحشیانہ ہے' وہ کچھ اس طرح کہ آم کو دبا دبا کر نرم کیا جاتا ہے اور جب اس کا گودا رس میں بدل جاتا ہے تو اوپر سے سوراخ کر کے رس پی لیا جاتا ہے لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اوپر سے پریشر والو کھولنے سے پہلے ہی آم کسی بوائلر کی مانند پھٹ جاتا ہے اور پھر جہاں تک اس کی پھوار پہنچے سمجھ لیجیے کہ پہننے والے نے وہ لباس آخری بار پہنا تھا' لہٰذا ہمارا مشورہ ہے کہ جہاں آپ کسی کو آم کو دباتے دیکھیں' تو ہرگز یہ نہ سمجھئے کہ آم تھکا ہوا ہے اور اس

کا مساج ہو رہا ہے' یا اسے گدگدی کی جا رہی ہے یا پھر اس کا گلا دبا کر ہلاک کیا جا رہا ہے بلکہ اسے اپنے لباس کے خلاف ایک گھناؤنی سازش سمجھئے اور وہاں سے نو دو گیارہ ہو جایئے۔

کچھ عرصہ قبل ہمارے مشہور تاریخی شہر ملتان کو مینگو سٹی قرار دیا گیا تھا' یعنی ملتان کی پہلے سے موجود چار نامعقول اور ناپسندیدہ شناختوں' گرد گرما گدا گورستان میں ویسی ہی ایک اور شناخت کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

اسلامی جمہوریہ ہذا میں جہاں اکثر و بیشتر عساکر کی حکمرانی رہی ہے' آم کو تعزیراتِ وطن کی کسی دفعہ کے تحت خطرناک قرار دیا جانا چاہیے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ ایک سپہ سالار اپنے رفقاء کار سمیت آموں کی پیٹیوں میں رکھے بموں کی نذر ہو گئے تھے...... جبکہ میں اس تھیوری سے کلیتاً متفق نہیں۔ یہ کارنامہ بموں کے بغیر خالی آم بھی انجام دے سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مرزا غالب عظیم ترین شاعر تھے اور اپنی مثال آپ تھے' ون اینڈ اونلی تھے' ہوں گے لیکن خدا لگتی کہیے جو شخص ایک نشست میں بالٹی بھر آم کھائے اس کی عظمت مشکوک نہیں ہو جاتی (روحِ غالب اور غالب پرستوں سے معذرت کے ساتھ)۔ اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ شہنشاہ جہانگیر کا بھی ہے کہ وہ اپنی توزک میں فرماتے ہیں ''جلال آباد کے زردالو بے حد لذیذ ہوتے ہیں اور بڑے بڑے' ایک ایک کوئی آدھ پاؤ کا ہوتا ہے ہم نے بیٹھے بیٹھے سو تناول فرما لیے...... جو شخص بیٹھے بیٹھے 12 کلو خوبانیاں کھا جائے غیر جانبدار مورخ اس کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے؟ مجھے یقین ہے کہ میری اس ''آم دشمنی'' پر غالب پرست وہ لطیفہ مجھ پر فٹ کرنے کی کوشش کریں گے کہ سچ ہے گدھے آم نہیں کھاتے...... تو صاحب اگر انسانیت کا معیار وحشیانہ انداز میں بازو بالٹی میں ڈبو ڈبو کر ٹٹول ٹٹول کر آم نکال کر ان پر ٹوٹ پڑنا اور ہاتھ منہ لتھیڑ کر نمونۂ نامعقولیت بن بیٹھنا ہے تو ہم گدھے بھلے......

آم پر بہت کچھ لکھنا چاہتا تھا لیکن مجھے ذرا کارگو سروس کے دفتر جانا ہے' گاؤں سے آموں کی پیٹیاں آئی ہیں لاہور بھجوانی ہیں مستنصر حسین تارڑ صاحب اور بھائی افضال احمد کو......

لہٰذا اجازت چاہوں گا۔

ایک پرامن مشاعرہ کی روداد

حضرت فرمان تونسوی جو سرائیکی کے ایک خوش گو شاعر اور صاحب طرز نثر نگار ہیں تونسہ شریف کے ایک مشاعرے کی روداد سنایا کرتے ہیں کہ کس طرح جب ایک شاعر کو سامعین کی سمع خراشی کرنے سے محروم رکھا گیا تو وہ مقامی تھانہ کے ایس ایچ او کا رقعہ بنام سیکرٹری مشاعرہ لے کر بمع دو عدد سپاہیوں کے کہ ہر ایک مسلح بہ ڈانگ تھا دندناتا ہوا سٹیج پر چڑھ گیا اور پھر مجبوراً منتظمین مشاعرہ کو اسے سامعین کے پردہ ہائے سماعت میں خراشیں بلکہ دراڑیں ڈالنے کی کھلی چھٹی دینا پڑی...... لیکن عوام بہرحال عوام ہیں جب ان کا پیمانہ صبر لبریز ہوا تو شاعر موصوف پر کنکروں' گندے انڈوں' ٹماٹروں اور پرانے جوتوں کی بارش ہوئی' اس کے باوجود بھی شاعر کے پائے ثبات میں ذرا برابر لغزش نہ آئی تو ایک ستم ظریف نزدیکی گلی میں سے ایک بیمار خارش زدہ کتا اٹھا لایا اور شاعر پر دے مارا' کتا اور شاعر دونوں سٹیج سے نیچے گر پڑے' کتا تو دم دبا کر بھاگ کھڑا ہوا لیکن شاعر پھر سر اٹھا کر سٹیج پر آ دھمکا۔

لیکن جس مشاعرے کی روداد میں آپ کو سنانے لگا ہوں وہ اس قسم کی ہنگامہ آرائی سے پاک پرامن مشاعرہ تھا۔

منتظم مشاعرہ حضرت خواب خرگوش جبل پوری تھے جنہوں نے اپنے تیرہویں فرزند ارجمند کی ولادت باسعادت کی خوشی میں یہ محفل منعقد کی تھی۔ مشاعرہ بخیر وخوبی انجام پایا' نہ کسی شاعر پر گندے انڈے اور سڑے ٹماٹر پھینکے گئے' نہ کسی گھس بیٹھیے سخن ور کی پرانے جوتوں سے تواضع ہوئی' کسی مستقل مزاج' زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد شاعر پر کوئی کتا بھی نہیں

پھینکا گیا' کرسیاں چلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ پنڈال میں کرسیاں تھیں ہی نہیں دریاں بچھی تھیں' کوئی بن بلایا شاعر کسی تھانیدار کا رقعہ لے کر نہیں آیا' سبھی نامور شعراء کرام تھے جنہیں باقاعدہ مدعو کیا گیا تھا کوئی بھی در انداز نہیں تھا۔ تینتالیس افراد کا جم غفیر تھا جنہوں نے انتہائی آرام وسکون اور صبر واستقامت کے ساتھ شروع سے آخر تک مشاعرہ سنا تینتالیس ہی شعرائے کرام تھے' سب نے سب پر دیانتداری کے ساتھ داد وتحسین کے ڈونگرے برسائے۔ دری قناتوں والے مرزا ٹینٹ ہاؤس کے مالک مرزا آکاش شامیانوی' پنڈال کو رنگ ونور سے سجانے والے برق الیکٹرک سٹور کے چودھری برق حسین اجالوی اور لاؤڈ سپیکر والے ملک اللہ ڈوایا بھونپو کے اسمائے گرامی بھی خیر سے شعرائے کرام میں شامل تھے۔ مشاعرے کی صدارت استاد الشعراء ڈاکٹر دقیانوس پی ایچ ڈی پامسٹری مرحوم نے فرمائی (مرحوم ان کا تخلص ہے) سٹیج سیکرٹری کے فرائض خاکسار پروفیسر ستیاناس کرمانی نے خوش اسلوبی سے انجام دیئے۔

نمایاں شعرائے گرامی کے نمونہ ہائے کلام نذر قارئین باتمکین ہیں۔

نہ تم ہم کو بھولو نہ ہم تو کو بھولیں
محبت کا جھولا صنم مل کے جھولیں
جنم لے گی تب ہی وہ نسل انقلابی
ہلادے جو ظالم زمانے کی چولیں

(بیزار دھوبی گھاٹوی)

خوشامد کو سمجھیں نہ معمولی بات
خوشامد ہے رازِ درونِ حیات
بہت جستجو سے ہے پایا یہ بھید
خوشامد حیات و خوشامد ممات

(ماسٹر عطا محمد چاپلوس)

اسے جوتوں سے مارا جارہا ہے
کیا چہرے کو کالا جارہا ہے

پولیس نے بھونڈ پکڑا ہے کہ لوگو
محبت کا جنازہ جارہا ہے
(استاد اللہ بخش زخمی)

کل ترے کوچے میں دیکھا عاشقوں کا اژدہام
سر اٹھائے تکتے تھے تیرے دریچے کو تمام
نامراد عشاق پر گملوں کی کیا بارش ہوئی
موسم گل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام
(حاجی دین محمد فضول)

میرے چہرے کی جو سیاہی ہے
آہ کیسی یہ روشنائی ہے
کوئی توا نہیں ملا گیا اس پر
یہ تو اعمال کی سیاہی ہے
(الحاج عطاء اللہ سیاہ قلب)

اس کی منگنی ٹوٹنے کا باعث اس کا بھائی تھا
لوکی کہتے ہیں وہ اس کا بھائی تھا کہ نائی تھا
میں نے دبکا کیا مارا وہ جتیاں چھڈ کے نس گیا
جسے پہاڑ سمجھتے تھے حقیقت میں وہ رائی تھا
(حاسد محسود)

صرف پیسہ ہی ابدی سچ ہے عزیز
باقی جو بھی ہے سب کہانی ہے
مطمح زندگی فقط ہو جلب زر
زر ہے تو پیری بھی جوانی ہے
جھوٹی عزت کی مت کرو پروا
بھائی عزت تو آنی جانی ہے
(فقیر قانع لوبھی)

سالہا در پہ خاکروب رہے
ان کو شیشے میں تب اتارا ہے
یہ بھی بیوپار کرکے دیکھ لیا
عشق میں دوستو خسارہ ہے
(پروفیسر ستیاناس کرمانی)

اس شہر بے چراغ کے پرنور راستے
اور دل وہ بدگماں کہ دھواں چھوڑتا نہیں
گونگا سا پھر رہا ہے جو رہرو یہ کون ہے
رکھتا بھی ہے زباں، پہ اسے کھولتا نہیں
(ڈاکٹر دقیانوس مرحوم)

توزکِ جارجی سے اقتباسات

محترم قارئین یقیناً آپ کی نظروں سے شاہانِ سلف کی خودنوشت' توزکِ تیموری' توزکِ بابری اور توزکِ جہانگیری گزری ہوں گی۔ ہم آپ کی خدمت میں عصر حاضر کے مطلق العنان شہنشاہ سلطانِ ولایاتِ متحدہ عزت مآب ج و بوش کی خودنوشت توزکِ جارجی سے اقتباسات پیش کر رہے ہیں' امید ہے نظر سے خوش گزریں گے۔

مابدولت کا خاندانی پس منظر:

مابدولت مشرق کے شاہانِ سلف صاحب کتاب بادشاہوں سے خاصا مختلف پس منظر رکھتے ہیں نہ تو ہمارا تعلق تیمر لین کی طرح چرواہے خاندان سے ہے اور نہ ہی عمر شیخ مرزا کے بیٹے "بابور" کی مانند کسی ننھی منی ریاست کے دربدر شہزادے ہیں۔ ہم ولایاتِ متحدہ کے طلائے سیاہ کے ایک بادشاہ کے گھر میں تیل کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئے۔ جنت مکانی (ابھی بقید حیات ہیں) ایک ایسی ریاست کے صوبہ دار رہے جو فرغانہ سے بے شمار بار بڑی تھی۔ ازاں بعد آپ دارسلطنت کے قصرابیض میں نائب السلطنت کے طور پر متمکن رہے۔

ریاستہائے متحدہ کا نظام مشرق کی غیر ترقی یافتہ ریاستوں سے بالکل مختلف ہے' چنانچہ طریقۂ تخت نشینی بھی کاملاً مختلف ہے' لٰہذا یہ بات اہل مشرق کے لیے اچنبھے کا باعث نہ ہونی چاہیے کہ جب جنت مکانی نائب السلطنت تھے' اس وقت کے شہنشاہ ہالی وڈ کے ایک سابق بھانڈ تھے (بھانڈ ہی پڑھا جائے بانڈ یا جیمز بانڈ نہیں)

شکار کھیلنا جنت مکانی کا گرگ وخرس ہائے روسیہ کا:

سلطنتِ روسیہ سے ہماری چشمک عروج پر تھی جسے تاریخ میں جنگ سرد کا نام دیا جاتا ہے' انہی دنوں یعنی جب عرش آشیانی نائب السلطنت تھے (ابھی زندہ ہیں' دوڑتے پھرتے ہیں' کھاتے پیتے ہیں پیتے تو بہت ہیں) روسیہ نے ملک افغانستان پر چڑھائی کر دی۔ برفستانوں سے آنے والے روسی ریچھ اور بھیڑیئے جوق در جوق اور گروہ در گروہ افغانستان میں داخل ہونے لگے' خدشہ پیدا ہونے لگا تھا کہ یہ برفانی ریچھ اور سفید بھیڑیئے آب گرم اور طلائے سیاہ کے ذخیروں اور نقل وحمل کے راستوں پر قابض نہ ہو جائیں' تب سلطنت متحدہ نے انہیں روسیاہ کرنے کا فیصلہ کیا اور میدان جنگ سرد کو گرم کرنے کی ٹھانی جنت مکانی بنفس نفیس طورخم اور خیبر تشریف لے گئے۔ (لفظ خیبر سے ہمارے دل کے کسی گوشے میں ایک ٹیس سی اٹھتی ہے کیونکہ خیبر ہمارے دوستوں' محبوں اور محسنوں یعنی اہل صیہون کے نزدیک انتہائی اہمیت کا حامل ہے)۔

عرش آشیانی (در مستقبل قریب) نے طورخم پر جاہل افغانیوں اور جنونی پاکستانیوں کا دل رکھنے کو ایک بندوق ہوا میں لہرائی اور ایک نعرہ بھی لگایا جو عموماً محمڈن لوگ میدانِ جنگ میں لگاتے ہیں' جس کا عمدہ اثر مردم افغان و پاکستان اور اہل عرب پر ہوا۔ ہم نے ان جذباتی' جیالے اور سربکف جنونیوں کو روسی ریچھوں اور بھیڑیوں کا شکار کرنے کی ترغیب دی اور سلاح جدید سے انہیں مسلح کیا اور زرکثیر ان کے قائدین پر نچھاور کی۔ میدانِ وغا میں ہماری شرکت صرف زرو جواہر اور توپ وتفنگ کی حد تک تھی ہمارے سپاہی وہاں نہ لڑے۔ کچھ عرصہ قبل شاہ مونگ پھلی کے عہد میں ملک فارس کے ایک صحرا میں ہمارے سپاہی ایک ذلت آمیز شکست سے دوچار ہو چکے تھے' ان کے حوصلے بے حد پست تھے اور وہ بندوقیں پکڑ کر پہاڑوں میں گوریلا جنگ لڑنے کے قابل نہ تھے۔ لیکن افغانوں' پاکستانیوں اور عربوں نے شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ روسی ریچھوں کو پھندوں میں پھانس لیا گیا۔ نتیجتاً شاہ روسیہ گورباچوف گربۂ مسکین بن گیا اور بعدازاں اس نے تخم کیمونزم جہاں سے اکھاڑ پھینکا۔

تخت نشین ہونا جنت مکانی کا اور فتح جنگِ بابل و خلیج العرب:

شاہ بھانڈ رونالڈ ریگان جو عرصۂ دراز سے قصرِ ابیض میں متمکن چلے آ رہے تھے' امور سلطنت سے اُکتا سے گئے تھے' جب سے وہ ایک قاتلانہ حملے میں جانبر ہوئے تھے کچھ صوفی سے ہو گئے تھے۔ یہاں یہ تذکرہ بے جا نہ ہو گا کہ ان پر قاتلانہ حملہ ایک جذباتی عاشق نے خود کو ہالی وڈ کی ایک نرتکی یا بھانڈنی کی نظروں میں سرخرو کرنے اور شہرت حاصل کرنے کے لیے کیا تھا۔ شاہِ ریگان جنہوں نے شاہِ مونگ پھلی کو قصر ابیض سے خارج کر کے خود اس میں دخول کیا تھا انجام کار وہاں سے خروج کر کے گوشہ نشین ہو گئے۔ جنت مکانی (زندہ ہیں' اسے ہماری دعا سمجھا جائے) کے جلوسِ شاہی نے قصرِ ابیض میں نزولِ اجلال فرمایا۔ آپ مرصع و مطلا رولز رائس' فورڈ' پورشے اور فراریوں کے ایک بڑے جلوس کے ساتھ فقراء و اطفال پر ڈالروں کی بارش کرتے ہوئے واشنگٹن ڈی سی کی سڑکوں سے گزرے تھے۔ صدہا مرد و زن اپنے فلیٹوں کی بالکنیوں سے شرف زیارت حاصل کر رہے تھے۔ سینکڑوں کبوتر اور ہزاروں کوے آزاد کیے گئے' بندی خانوں کے دروازے کھول دیئے گئے' مے خانوں' قحبہ خانوں اور جوا گھروں پر عائد محصول معاف کر دیئے گئے (یہ جملہ ہم نے ازراہِ تفنن مشرقی بادشاہوں کے انداز میں لکھا ہے ورنہ ہمارے ہاں یہ سب خرافات ناپید ہیں)۔

والد بزرگوار کے عہد زریں کا ایک اہم قضیہ جنگ بابل و خلیج العرب ہے۔ صدام نام کا ایک جنگجو قبائلی سردار کہ سخت مغضوب الغضب' منتقم مزاج' انسانی زندگیوں کو پرکاہ جتنی اہمیت بھی نہ دینے والا ملک بابل و میسوپوٹیمیا پر قابض تھا۔ یہ ملک طلائے سیاہ کی دولت سے مالا مال ہے۔ ہمارے سابق شاہان' شاہِ مونگ پھلی اور شاہِ بھانڈ مسمی صدام کو مسلسل کمک و رسد سے برخلافِ فارس نوازتے رہے تھے۔ لشکری اس کے پاس بے شمار تھے' چنانچہ طاقت کے نشہ میں سرشار وہ ایک چھوٹی سی ہمسایہ ریاست الکویت پر چڑھ دوڑا (کہا جاتا ہے کہ اسے یہ ترغیب ریاست ہائے متحدہ نے دی تھی لیکن ہم اس کی تصدیق کریں گے نہ تردید کیونکہ یہ قومی افشائے راز کے زمرے میں آتا ہے)

صدام کے اس اقدام نے ہمارے لیے یہ جواز پیدا کر دیا کہ ہم طلائے سیاہ

کے خزانوں کو اپنی دسترس میں کر لیں نیز نقل و حمل کے راستوں کو بھی اپنے قبضۂ قدرت میں لے لیں' چنانچہ مجلس اقوام عالم سے ایک رسمی قرارداد منظور کرانے کے بعد ہم یعنی ریاستہائے متحدہ بمعہ اتحادیان فرنگ' فرانسہ و المان وغیرہ افواجِ قاہرہ لے کر ریاستہائے خلیج العرب اور سلطنتِ حجاز میں اتر گئے۔ عاقبت ناشناس صدام کی مت جو ماری گئی تو اس نے ملک صیہون پہ چند راکٹ داغ دیئے اب ہم کہاں رکنے والے تھے چنانچہ ملک بابل کی افواج' اس کے شہروں' کارخانوں' پلوں' مدرسوں' ہسپتالوں اور شہریوں کا بھرکس نکال دیا گیا اور جب غنیم کی بقیۃ السیف افواج الکویت سے دم دبا کر بھاگی تب ہم نے ذلت آمیز شرائط مسلط کر کے صدام کے ساتھ صلح کر لی۔ صدام کو اس لیے چھوڑ دیا گیا کہ ابھی ریاستہائے متحدہ کو اس کی ضرورت تھی' فارس کے خلاف' یوں ذخائر طلائے سیاہ و گزرگاہِ نقل و حمل کو دسترس میں کرنا عہد جنت مکانی کا کارنامۂ عظیم ہے۔

تخت سے معزول ہونا والد بزرگوار کا اور ذکر عاشق نامراد بل کا:

اگرچہ والد بزرگوار قبلہ و کعبہ نے جنگ میسوپوٹیمیا میں شاندار فتح حاصل کی تھی لیکن ریاست ہائے متحدہ کے ناشکرے لوگوں نے انتخابات میں ان کے حق میں رائے نہ دی۔ بالغ رائے دہی ایک رسم قبیح ہے جو ممالک مغربیہ میں عرصۂ دراز سے رائج ہے۔ بادشاہوں کی تخت نشینی بھی عوام کالانعام کی رائے سے ہوتی ہے اور اب یہ رسم ممالک مشرقیہ میں بھی فروغ پاتی جا رہی ہے۔ اگرچہ مشرق میں عوام کو غیر ذمہ دارانہ اور جاہلانہ فیصلوں کی کھلی چھٹی نہیں دی جاتی اور حکمران طبقے ملکی مفاد میں ان کی رائے میں وسیع تبدیلی لے آتے ہیں۔ اگر مابدولت تخت نشین ہو پائے تو اس میں ایک بہت بڑا کردار حکامِ مشرق کے تجربات سے استفادے اور ان کے عملی استعمال کا ہے۔ اس کا ذکر کہیں آگے مناسب مقام پر آئے گا۔ خیر والد گرامی بعد از معزولی اپنی آبائی ریاست لوٹ آئے اور طلائے سیاہ کے کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ ان کی جگہ ولیم جیفرسن کلنٹن سریر آرائے سلطنت ہوا' اس کا نام جس قدر بارعب ہے خود اتنا ہی مظلوم صورت یا بہ زبانِ پنجابی میسنا ہے۔

ولیم جسے پیار سے بل کہا جاتا ہے قصر ابیض کے بل ہی میں گھسا رہا۔ کوئی

قابل ذکر فتوحات اس کے عہد میں نہ ہوئیں بلکہ ناقابل ذکر بھی نہ ہوئیں۔ بل ایک عاشق مزاج شخص تھا' سبھی ہوتے ہیں لیکن اس مقصد کے لیے خفیہ آشیانہ ہائے محبت بنائے جاتے ہیں لیکن حماقت مآب بل نے دربارِ شاہی میں ہی عشق بازی شروع کردی اور وہ بھی ایک یہودن نوکرانی کے ساتھ چھپی چھپی چھپی......

(ہم لوگ مشرقیوں کو جس قدر بھی پسماندہ اور جاہل کہیں' لیکن ایک بات ہے کہ وہ دلیر ہوتے ہیں' میرا مطلب ہے دیدہ دلیر' کس دھڑلے سے بڑے بڑے حرم رکھتے ہیں' ملکائیں' کنیزیں' داشتائیں' مطربائیں' رقاصائیں اور پتہ نہیں کیا کیا ئیں...... مجال ہے جو لوگ ان پہ انگلی اٹھائیں)

ہمارے لوگ اس قسم کے افعال پوشیدہ طور پر انجام دیتے ہیں۔ حماقت مآب بل نے اپنی شاندار حماقتوں سے اخبارات اور ٹیلی ویژن چینلوں کو اپنے پیچھے لگا لیا۔ خاصا خجل ہوا' مقدمے کا سامنا کیا' سرعام معافیاں مانگیں' سر کیمرہ آنسو بہائے' ایک نقصان غریب کا یہ بھی ہوا کہ اس کی ملکہ جو قبل ازیں اس قبیل کے معاملات میں از حد احتیاط برتا کرتی تھی' اب اس احمق کو جلانے کے لیے کم احتیاط کرنے لگی۔ وہ یہودن نوکرانی بل کی تمام حرکاتِ شائستہ و ناشائستہ سے اخبارات اور ٹیلی ویژن کے ذریعے عوام کو آگاہ کرنے لگی۔ اس نے ایک کتاب بھی لکھ ماری جس کے تراجم متعدد زبانوں میں شائع ہوئے' ہمیں اطلاع ملی ہے کہ زبانِ اردو کے ایک ممتاز ادیب جناب ڈاکٹر ا' س (شاید انور سدید کا مخفف) ہے انہوں نے بھی اس چٹخارے دار داستان کا ترجمہ کیا اور ایک اخبار نے اسے روزانہ اقساط میں چھاپ کر صحافت کی شاندار خدمت سرانجام دی۔ مونیکا (یہودن نوکرانی) کتابوں اور انٹرویوز کے نتیجے میں کروڑ پتی ہوگئی جبکہ بل بیچارہ اپنا مقدمہ لڑنے کے لیے چندہ مانگتا پھرا...... ہوگا کوئی ایسا بدنصیب بادشاہ جو خراج کی بجائے چندہ مانگے......

آخر کار بل ناتواں کا عہد نامسعود اپنے منطقی انجام کو پہنچا' اس نے اپنی جگہ اپنے نائب السلطنت الگور کو تخت نشیں کرنے کی بھرپور کوشش کی...... لیکن مابدولت نے تمام تر مغربی اور مشرقی جائز و ناجائز حربے استعمال کر کے اس کی کوشش ناکام بنادی اور الگور کو زندہ درگور کر دیا۔

نزولِ اجلال بخشنا مابدولت کا قصرِ ابیض کو:

ہم پسماندہ مشرق کو مدتوں سے بہت کچھ دیتے آرہے تھے۔ گندم' دوائیاں' ہتھیار' جنگیں' فوجی آمر اور بہت کچھ...... ہم نے سوچا مشرق والے بالکل ہی ناکارہ اور نااہل تو نہیں ہوں گے' ان کے پاس بھی تو کچھ کام کی چیزیں ہوں گی' جوئندہ یابندہ...... ہمیں کچھ کام کی چیزیں مل گئیں' دھاندلی' جھرلو' رگنگ...... ہم نے ریاست ہائے متحدہ کے صدارتی انتخاب میں انہیں استعمال کیا اور لوگوں کو بالغ رائے دہی کا نابالغانہ استعمال کرنے سے روک دیا۔ مشرقی حکمرانوں کی طرح ملک وقوم کے وسیع تر مفاد میں ہم نے عدالتوں سے بھی کام لیا۔ اگرچہ ہمیں دانتوں پسینہ آگیا لیکن ہم چومکھی لڑائی لڑ کر قصرِ ابیض میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے۔

قصرِ ابیض...... باہر سے عام سی بلکہ کسی حد تک بیہودہ نظر آنے والی یہ عمارت اچھا خاصا محل ہے جس میں 134 کمرے 32 حمام' 29 آتش دان' ایک عریاں تیراکی کا بڑا حوض' ایک تماشا گاہ اور 18 ایکڑ چمن زار اور ان کے علاوہ بھی بہت کچھ...... لیکن اصل بات اس کے اندر قیام پذیر ہونا ہے...... دنیا بھر کے لوگوں کی قسمتوں کے فیصلے کرنا اور امورِ عالم کے ساتھ کھلواڑ کرنا...... قصرِ ابیض کا مکین دنیا کا طاقتور ترین شخص ہوتا ہے۔ قصرِ ابیض میں سریر آرائے سلطنت ہوتے ہی ہم نے اپنی صراف برادری کو وہاں طلب کرلیا۔ صراف سے ہماری مراد کالے سونے کے بیوپاریوں سے ہے...... ڈک چینی' کنڈولیزا رائس' رچرڈ آرمیٹج' رمز فیلڈ اور ہمارے والد بزرگوار کے وفادار سالار کولن پاول۔ سچ تو یہ ہے کہ طلائے سیاہ کے بیوپاری بھائیوں نے ہی ہمارے لیے حصولِ سلطنت کی راہ ہموار کی تھی۔ چنانچہ ہمارا فرض تھا کہ دیانتداری کے ساتھ ان کے مفادات کا تحفظ کریں۔

ایک اور طبقہ جن کے ہم رہینِ منت تھے وہ ہمارے صیہونی دوست تھے' ان کا ہم پر یہ احسان بھی تھا کہ انہوں نے حماقت مآب بل کو خاصا ذلیل وخوار کیا تھا۔ چنانچہ ہم نے ان سے کہہ دیا کہ وہ جاہل اور ننگے فلسطینیوں کے ساتھ بلا جھجک وہی سلوک کریں جو ہمارے آباؤاجداد نے سرخ ہندیوں کے ساتھ کیا تھا۔ یہ فلسطینی لوگ جو نسلاً عرب اور مذہباً مسلم ہیں انتہائی جذباتی' خطرناک اور وحشی لوگ ہیں۔ بھلا اپنے ناتواں جسموں کے ساتھ

بارود باندھ کر پرہجوم جگہوں پر خود کو بھک سے اڑا دینا کوئی انسانیت ہے، کوئی شرافت ہے۔ چنانچہ ہم نے شاہِ صیہون ایریل شیرون سے فون پر کہا ''تمہیں اجازت ہے کہ تم ان پاگل جانوروں کو دھکیل کر بحیرۂ مردار میں ڈبودو''

اس نے طنزیہ کہا ''ظلِ شیطانی آپ کا جنرل نالج تو بالکل صفر ہے یہ تو ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ بحیرۂ مردار میں کوئی نہیں ڈوب سکتا''

ہم نے بھی ترکی بہ ترکی کہا ''چلو کوئی اور طریقہ ڈھونڈ لو، یا پھر اپنے لیے چلو بھر پانی کا بندوبست کرلو۔''

اکڑ کر بولا ''جناب صدر ایک بات یاد رکھیے ہم کسی سے ہدایت لیتے ہیں اور نہ ہی کسی کتے کے بھونکنے کی پرواہ کرتے ہیں''۔

یہ بدزبان یہودی جانے خود کو کیا سمجھتے ہیں...... جو بھی سمجھتے ہیں بہرحال ٹھیک ہی سمجھتے ہوں گے؟ مکانی؟ زمانی؟ آشیانی والد صاحب نے ہمیں نصیحت فرمائی تھی کہ فرزند عزیز ساری دنیا سے پنگا لینا سوائے یہودیوں کے۔''

چنانچہ ہم خون کا گھونٹ پی کر رہ گئے اور زبردستی ہنستے ہوئے کہا۔

''شیرون بھائی ہم تو دل لگی کر رہے تھے۔''

ملعون بولا ''دل لگی کے لیے وہیں قصرِ ابیض میں اپنے پیش رو کی طرح کوئی نوکرانی تلاش کرو۔''

مزاج مبارک سخت مکدر رہا، حاجب (پروٹوکول آفیسر) کو بلا کر فرمایا۔

''طبع مبارک ناساز ہے، لہٰذا آج کی تمام مصروفیات منسوخ کردو۔'' تو اس بدبخت نے کہا ''ظلِ سبحانی مرکزی انجمن یہود کے ارکان بازیابی کے منتظر ہیں...... خدا انہیں غارت کرے ...... چنانچہ استراحت کے خیال پر لعنت بھیجی اور یہود اسکریوتی کے ان بھائیوں کو طلب کر کے ان کی تواضع فرمائی۔

تباہ و برباد کیا جانا عمارات بلند نیویارک شہر کا:

مدت مدید سے سلطنت متحدہ کا اصول رہا ہے کہ طاقتور اور بالادست طبقہ ہی

مستحق اقتدار ہے اور حقیقتاً بھی ایسا ہی ہے...... کسی بھی جنگل کو دیکھ لیجیے...... یہ طبقہ سرکردہ تجار، مالکانِ اراضی، صنعتکاران، فوجی اشرافیہ اور سول حکام پر مشتمل ہے۔ اس طبقے کے خلاف آواز اٹھانے والے مفسدین خواہ دنیا کے کسی بھی گوشے میں ہوں ریاست ہائے متحدہ نے انہیں اپنا دشمن گردانا ہے اور ان کی سرکوبی اور گوشمالی کی ہے۔ کوریا ہو یا ویت نام، چلی ہو یا انڈونیشیا، پاکستان ہو یا ایران، جزیرۃ العرب ہو یا جزائر فلپائن ...... حقوقِ بشر، برابری، مساوات، عوامی جمہوریت، حقوق مزدوران اور اسی قسم کے دیگر گمراہ کن نعروں کے ساتھ ہنگامہ آرائی اور شور و غوغا کرنے والے ناشکرے، جاہل اور کم فہم اشرار کو کچلنے کے لیے ہم نے ہمیشہ طبقہ اشرافیہ کی دامے درمے، قدمے، سخنے، ڈنڈے، ہتھیارے مدد کی ہے...... اور تاریخ عالم گواہ ہے کہ اس معاملے میں ہم نے اپنے ہزاروں سپاہیوں کی جانوں کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ دنیا کے کسی گوشے میں سلطنت روسیہ کی طرح مزدوروں اور اس قبیل کے نچلے طبقات کی حکومت قائم ہو۔ خاصی طویل جدوجہد کے بعد ہم سلطنت روسیہ کو چھوٹے چھوٹے قطعات میں تقسیم کرنے میں کامیاب ہوئے تھے اور ان قطعات پر اپنے گماشتوں کی حکومتیں قائم کرائی تھیں۔ سلطنتِ روسیہ کی موت ایک نظریے کی موت ثابت ہوئی، ایک گمراہ کن نظریہ جو عرصۂ دراز سے ہمارے لیے اور دنیا بھر کے بالادست طبقات کے لیے دردِ سر بنا رہا تھا۔ اہل چین عقل مند نکلے انہوں نے حالات کو بھانپ کر خود ہی اس نظریہ سے انحراف اور پسپائی اختیار کی۔ اب ہمارے لیے سر دردی کا باعث صرف ایک نظریہ رہ گیا تھا اور وہ تھا اسلام، بادشاہوں، آمروں اور شیخوں کے اسلام پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں، اسلام کی انقلابی اور عسکری تشریح ہمارے لیے اور امن عالم کے لیے واحد خطرہ رہ گئی ہے۔

افسوسناک امر یہ ہے کہ اس سوچ کو فروغ دینے میں ہمارا بھی ہاتھ رہا ہے۔ سو اب ہمیں ہاتھ ملنا پڑ رہے ہیں۔ ہمارے دانشوروں ولیم کیسی اور برزنسکی وغیرہ روسی اشتراکیت کے مقابلے کے لیے خام مال یعنی جنگ کی بھٹی کا ایندھن حاصل کرنے کے لیے اس طرزِ فکر کو بڑھاوا دیتے رہے ہیں۔ اس سوچ کے ساتھ عرب اور افغان قوم پرستی نے یکجا ہو کر ایک آتش فشاں کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔

افغانستان اور پاکستان اس مکتب فکر کے مضبوط مراکز بن گئے، فلسطین، فلپائن، یمن، جزیرۃ العرب اور دیگر کئی ممالک میں ان لوگوں نے خفیہ ٹھکانے قائم کر لیے۔ بن لادن نامی ایک ارب پتی تاجران لوگوں کا سرخیل بن گیا۔ مسمی بن لادن کو ہم آج تک نہیں سمجھ پائے اگرچہ ہم اس کے ساتھ مل کر روسیوں کا شکار بھی کھیل چکے ہیں...... تاجر اشرافیہ سے تعلق رکھنے والا ایک انتہائی متمول شخص نچلے طبقات کے لوگوں کو ساتھ ملا کر اپنی دولت ضائع کر رہا تھا اور اپنی آل اولاد کے ساتھ محلات ترک کر کے پہاڑوں اور غاروں میں زندگی بسر کر رہا تھا جبکہ اس کے بھائی بند یورپ کی رقص گاہوں، شرابخانوں اور جوا گھروں میں کروڑوں درہم و دینار لٹا رہے تھے۔ اسی بن لادن نے افغانستان کے دشوار گزار اور اجاڑ پہاڑوں میں بیٹھ کر ہماری تباہی کی منصوبہ بندی کی اور ہمارے تمام دفاعی ماہرین کو احمق محض بنا کر سلطنت کی عظمت کی دو بڑی نشانیوں نیویارک کے جڑواں میناروں کو ملیامیٹ کر دیا، جلا کر راکھ کے ڈھیروں میں بدل دیا۔ ایسے عظیم اور شاندار مینار کہ بابل کے کلدانی اور اشوری اور مصر کے فراعنہ ان کی عظمت کا تصور بھی نہ کر سکتے ہوں، چشم زدن میں زمیں بوس ہو گئے، شعلوں کی زبانیں انہیں چاٹ گئیں، ہماری افواج کا معسکر مرکزی بھی شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ قصرِ ابیض فنا کے گھاٹ اترنے اور روسیاہ ہونے سے بال بال بچا، ہمیں اور ڈک چینی نائب السلطنت کو خوفزدہ گیدڑوں کی مانند روپوش ہونا پڑا۔ ہم تو خیر جلد منظر عام پر آ گئے عزیزم ڈک چینی خاصا عرصہ ڈونالڈ ڈک بنا رہا۔ اب بھی ہم اسے مزاحاً ڈراتے ہیں ''ڈک بن لادن آیا'' اس کے چہرے کی رنگت اڑ جاتی ہے اور وہ کانپنے لگتا ہے۔ ایک بار اس نے ہم سے گزارش کی ہم آئندہ اس کے ساتھ یہ مذاق نہ کیا کریں کیونکہ اس کا مثانہ کمزوری کی آخری حد کو پہنچ چکا ہے۔

امریکہ بدلہ لیتا ہے:

نیویارک پر حملوں کے فوراً بعد ہم نے اعلان کر دیا کہ یہ حملے بن لادن نے کرائے ہیں۔ ہم سے ثبوتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو ہم نے فرمایا ہمیں ثبوتوں کی ضرورت نہیں ہم بہتر جانتے ہیں کہ ایسا کون کر سکتا ہے۔ بعد میں عزیزم بن لادن نے اپنے

اعترافی بیان کی ویڈیو اور آڈیو کیسٹ ریلیز کر کے ہماری صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی خدا اس کی عمر دراز کرے۔ بہر حال ہم نے انتقاماً بن لادن کی متوقع پناہ گاہوں پر حملے شروع کر دیئے، اس کی پناہ گاہ افغانستان میں کہیں بھی ہو سکتی تھی چنانچہ ہم نے افغانستان کے چپے چپے کو جلا کر بھسم کر دیا۔ پہاڑوں تک کو ریزہ ریزہ کر ڈالا اور دنیا کو دکھا دیا کہ ریاست ہائے متحدہ کس طرح بدلہ لیتی ہے۔

بن لادن کے پناہ دہندہ اور ہمارے سابق پسندیدہ طالبان نامی گروہ یا تو مارے گئے یا پہاڑوں کی غاروں میں چھپ گئے، یا پھر اپنی عزت و وقار کی علامت سیاہ پگڑی اتار کر دیگر افغانوں میں شامل ہو گئے اور یوں افغانستان تیسری بار تباہ ہوا۔ پہلی بار روسیا کے ہاتھوں، دوسری بار ایک افغان رہنما گلبدین حکمت یار کے ہاتھوں، افغانیوں کو بھی کیسے کیسے رہنما نصیب ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہمارے حملوں میں ہزاروں عام شہری، عورتیں، بچے بوڑھے بھی مارے گئے...... ہمارے خیال میں یہ بدنصیب اپنی حماقتوں کی وجہ سے مارے گئے، جب ان کے لاکھوں بھائی بند افغانستان چھوڑ کر ہمسایہ ملکوں میں خیموں میں رہ رہے تھے یہ لوگ مرنے کے لیے افغانستان میں کیوں رہے، باہر چلے جاتے تو نہ مرتے۔

حضوریٔ سینیٹر گیری ہارٹ:

گیری ہارٹ سلطنت متحدہ کے معروف سیاستدان ہیں۔ ان کی وجۂ شہرت والد گرامی؟ مکانی؟ زمانی؟ آشیانی کا انتخابی حریف ہونا ہے۔ انہوں نے شرف باریابی حاصل کیا اور ملک کے اس بحران عظیم میں اپنی خدمات کی پیشکش کی۔ ہم نے بڑے میاں کی قدردانی کی، حالانکہ یہ بخیل شخص کیا خدمت کر سکتا ہے، مکھی چوس سے یہ تک نہ ہوا کہ 11 ستمبر کے متاثرین کی امداد کے لیے دس پندرہ ملین ڈالر کا چیک ہی لے کر آتا۔ گیری ہارٹ نے ملاقات میں ایک لطیفہ سنایا، لطیفہ کیا سچا واقعہ ہے۔ اس نے بتایا کہ جب والد گرامی (ہمارے) کے مدمقابل انتخاب لڑ رہا تھا، اس کی محبوبہ نے برسر کیمرہ جارج بش یعنی مکانی؟ آشیانی کی حمایت کا اعلان کیا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ اس کے تو گیری ہارٹ صاحب کے ساتھ گہرے روحانی اور جسمانی تعلقات ہیں تو اس نے مسکرا کر جواب دیا ''میرا ہارٹ

بش کے لیے ہے اگر چہ......وائس ورسا "Vice Versa"۔اس جملے کی چاشنی سے زبان انگلیسی سے گہری شناسائی رکھنے والے ہی محظوظ ہو سکتے ہیں ہم نے اس لطیفے یا کثیفے پر تبسم فرمایا بلکہ خندہ لب اور خندہ زن ہوئے۔

حاضر ہونا سابق سلاطین کا:

11 ستمبر کے بحران کے سلسلے میں سلطنت کے سابق حکمران' شاہ مونگ پھلی جمی کارٹر' شاہ بھانڈ ریگن' اور حماقت مآب بل کلنٹن نے وفد کی صورت میں شرفِ باریابی حاصل کیا اور ہمارے ساتھ یکجہتی اور قلبی حمایت کا اظہار کرتے رہے' رسماً قدردانی کرنا پڑی حالانکہ یہ بوڑھے پھونس لیس بشی' لوگ کس قابل تھے۔ خاصی دیر انہوں نے ہمارے سمع خراشی بلکہ مغز خراشی کی' قصرِ ابیض کی پرانی یادیں دہراتے رہے۔

ہمیں بارِ اول شدت سے یہ احساس ہوا کہ مشرقی شاہانِ سلف کی یہ روایت کتنی عمدہ اور مفید تھی کہ وہ اپنے پیش رو حکمرانوں کو واصل جہنم کر دیا کرتے تھے۔ کاش ہم ایسا کر سکتے ...... کیونکہ سلطنت متحدہ میں ہر اچھائی برائی آئین کے مطابق ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم نے سوچا کہ آئین میں اس قسم کی کوئی ترمیم ضرور لائیں گے......لیکن پھر یہ سوچ کر رک گئے کہ اس روایت کا آغاز ہم سے ہی ہوگا۔

حاضر ہونا حامد خان کرزئی حاکم افغانستان کا:

طالبان کا تورا بورا کرنے کے بعد ہم نے حامد خان کرزئی کو تخت افغانستان پر بٹھایا (تورا بورا کا مطلب قلع قمع)۔ کرزئی اچھا برخوردار ہے' کافی وقت سلطنت متحدہ میں گزار چکا ہے' یہاں اس کا کاروبار بھی ہے دکانیں اور طعام گاہیں۔ انگریزی بہت اچھی بولتا ہے تیز طرار اور چالاک ہے' غرض حکمران بنائے جانے کے لائق ہے۔ مجھے زلمے خلیل زاد (یہ ایک اور برخوردار ہے کرزئی جیسی خوبیوں کا مالک۔ کرزئی کی شہادت یا ہلاکت کی صورت میں افغانستان کا متوقع حکمران ہے) نے بتایا کہ کرزئی کے ہجے بدل دیئے جائیں جبکہ تلفظ یہی رہنے دیا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے مقروض۔ یہ ہے بھی درست' قرضئی

ہمارا خاصا مقروض ہے' ہم جس پر بھی مہربان ہوں اس پہ قرضوں کا بوجھ چڑھا دیتے ہیں اور یہ بوجھ اس کی گردن پر ہمیشہ رہتا ہے...... منکا ٹوٹنے تک تو رہتا ہی ہے...... جنوب مشرقی اور وسطی ایشیا میں ہمارے منصوبوں کی کامیابی کے سلسلے میں حامد کرزئی کا اہم کردار ہے۔ ہم نے اس کے لائے ہوئے دنبے' درہ میڈ بندوقیں' پہاڑی ٹٹو اور تیل کے راستوں کے نقشے قبول فرمائے اور اس کا منہ ڈالروں سے بھرنے بلکہ اسے ڈالروں سے نہلانے کا حکم دیا۔ ہمارے دوست کبھی گھاٹے میں نہیں رہتے...... جب تک وہ ہمارے کام کے رہتے ہیں۔

فیلڈ مارشل فہیم ......ایک لطیفہ......رات ہم نے قصرِ ابیض میں ایک ضیافت دی۔ اس میں برخوردار حامد خان کرزئی نے ایک دلچسپ واقعہ سنایا۔ اس کے اتحادی بہت سے جنگی سردار ہیں۔ ایک سے ایک جاہ پرست' اقتدار کا حریص اور خونخوار۔ اس بے چارے نے کسی کو گورنر بنایا' کسی کو وزیر' کسی کو مشیر لیکن ان کے حرص و ہوا کی کوئی انتہا نہیں۔ ایک لڑاکا فہیم پہلوان تھا جو خود کو جنرل فہیم کہلواتا تھا۔ کرزئی نے اسے وزیر دفاع بنوایا' پاکستان کے ایک گارمنٹ سٹور سے جنرل کی وردی منگوا کر پہنائی۔ ایک روز فہیم اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ جناب طالبان کے خلاف لڑائی میں سب سے زیادہ خدمات میری ہیں۔ آپ نے مجھے کچھ بھی نہیں دیا۔ اس نے جواب دیا بھائی جان میں نے آپ کو جنرل بنایا وزیر دفاع بنایا......اور تو اس سے بڑا کوئی منصب رہا نہیں اگر آپ صدر بننا چاہتے ہیں تو میں بہ رضا و خوشی ہٹ جاتا ہوں' کرسی صدارت حاضر ہے۔

فہیم نے جواب دیا کہ میں صدر نہیں بننا چاہتا کیونکہ مجھے اپنی زندگی عزیز ہے۔ اس نے کہا تو پھر بتائیے میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔ تو فہیم بولا کہ مجھے ایک دوست نے بتایا ہے کہ جو بہت بڑے جرنیل ہوتے ہیں وہ فیلڈ مارشل کہلاتے ہیں آپ مجھے فیلڈ مارشل بنائیے۔ اس نے اسے کہا کہ فیلڈ مارشل تو میں نے بھی صرف دو ہی سنے ہیں ایک منٹگمری اور ایک رومیل اور انہوں نے تو بہت عظیم جنگی کارنامے سرانجام دیئے۔ آپ نے کیا کیا' کہنے لگا پاکستان کے ایک فیلڈ مارشل ایوب خان تھے انہوں نے کونسی بڑی جنگ جیتی تھی''...... چنانچہ کرزئی نے ایک تقریب منعقد کی اور فہیم کو فیلڈ مارشل بنا دیا۔

کرزئی نے یہ بھی بتایا کہ ان معاملات میں افغان خاصے تیز ہیں روسیوں کے قبض

کے دنوں میں ایک افغانی پاکستان جاکر پناہ گزین ہوا اس نے پاکستانی حکام کو بتایا کہ وہ افغانستان میں وزیر تھا' اس سے پوچھا گیا کہ کس محکمے میں تو دروغگو را حافظہ نباشد کے مصداق اس نے کہہ دیا ریلوے میں پاکستانی خوش ہوئے کہ پھنس گیا چنانچہ انہوں نے کہا کہ افغانستان میں ریلوے ہی نہیں تو وزارتِ ریلوے کہاں سے آ گئی۔ اس نے بھی دھڑلے سے جواب دیا کہ آپ کے ہاں بھی تو وزیر انصاف وقانون ہوتا ہے ہم نے کبھی اعتراض کیا۔

آمد میگاوتی سوئیکارنو پتری کی اور اظہارِ وفاداری:

جنوب مشرقی ایشیا کا ایک ملک انڈونیشیا ہے جو مجمع الجزائر ہے۔ مسلمانوں کا ملک ہے' مابدولت کو جغرافیہ کے ایک پروفیسر نے بتایا کہ آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کا سب سے بڑا ملک ہے' ہم نے جب اس سے دریافت کیا کہ رقبے کے لحاظ سے کونسا ملک سب سے بڑا ہے تو اس نے بتایا سوڈان۔ مجھے یاد آیا کہ یہ ملک بھی ریاست ہائے متحدہ کے عتاب کا نشانہ بن چکا ہے اور اس کی گوشمالی کی جا چکی ہے۔ بہر حال ہمیں یہ سن کر خاصی حیرت ہوئی کہ آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑے مسلمان انڈونیشیائی اور رقبے کے لحاظ سے سوڈانی' مذہبی تقدس کے لحاظ سے سعودی' تو یہ پاکستانی کیوں اسلام کے ٹھیکیدار بنے پھرتے ہیں۔ مسلمانوں کا مرکز تقدس سعودی عربیہ ہمارا وفادار دوست ہے' سوڈان نے اپنی غلطیوں کی اصلاح کرلی ہے' مگر یہ پاکستانی' نہ تین میں نہ تیرہ میں' وسائل ہیں نہیں مسائل بے شمار' بھیک پر گزر اوقات لیکن امت مسلمہ (اف) کے ماموں بنے پھرتے ہیں۔ مشرف صاحب آئے تو ان سے بات کروں گا اس موضوع پر۔ انڈونیشیا کی سربراہ مادام میگاوتی سوئیکارنو پتری ازخود اظہار ہمدردی اور اقرار وفاشعاری کے لیے تشریف لائیں۔ اسم بامسمیٰ ہیں ان کی ہر چیز میگا ہے ہماری لارا کے برعکس۔

میگاوتی اپنے مرحوم والد کے بالکل برعکس ہیں' مرحوم جواہر لال نہرو اور جمال عبدالناصر اور ذوالفقار علی بھٹو قسم کی شخصیت تھے۔ انہیں تیسری دنیا کے حقوق اور اس کے اتحاد وغیرہ کا خبط تھا' انقلابی اور باغی رہنما...... انتہائی خوشی کی بات ہے کہ تیسری دنیا کے ان بزرگ رہنماؤں کی نئی نسل ان سے بالکل مختلف ہے' خاصے معقول بچے ہیں اور ہمیں اپنا گاڈ

فادر مانتے ہیں...... ذوالفقار علی بھٹو کی صاحبزادی کو ہی دیکھ لیجیے۔

ٹیکساس رینج میں پوٹن کی ضیافت:

ولاڈیمیر پوتن سابق جاسوس موجودہ سربراہ سلطنت مرحومہ روسیا' اپنی دوستی اور وفاداری کا یقین دلانے ریاست ہائے متحدہ تشریف لائے۔ کام کے آدمی ہیں' معقول اور حقیقت پسند' رومانویت ان میں نام کو نہیں پائی جاتی۔ یک قطبی دنیا کی بقاء کے لیے ضروری ہے کہ روسیا میں کوئی قوم پرست یا اشتمالی برسر اقتدار نہ آئے یا کوئی بھی ایسا شخص جس میں قومی غیرت کا شمہ بھر موجود ہو' لہٰذا پوتن کا وجود ہمارے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اس سے پہلے جناب یلسن مخمور ہوا کرتے تھے' ہر وقت مست' دھت اور مخمور رہا کرتے تھے۔ جب ہوش میں آتے تو انہیں دل کا دورہ پڑ جاتا اور جراحیٔ قلب کے لیے ہسپتال چلے جاتے' واپس آتے تو پھر بوتل پکڑ لیتے اور جام لنڈھانا شروع کر دیتے۔ بہر حال جناب پوتن کی دلجوئی' تالیف قلب اور...... انہیں بانس پہ چڑھائے رکھنا ریاست ہائے متحدہ کے وسیع تر مفاد میں ہے۔ چنانچہ ہم نے انہیں ٹیکساس میں اپنے فارم ہاؤس پر مدعو کیا۔ ہم نے انہیں آگاہ کیا کہ ہم یہ شرف صرف ذاتی اور قریبی دوستوں کو بخشتے ہیں لہٰذا وہ آج سے ہمارے لیے مسٹر پوتن نہیں ولاڈیمیر ہیں اور ہم ان کے لیے مسٹر بش نہیں صرف جارج ہیں اور ان کی بیگم صاحبہ اگر چاہیں تو ہمیں جارجی کہہ سکتی ہیں' لارا نے جھٹ کہا لیکن ہم انہیں ولی نہیں کہیں گی کیونکہ ہمیں کارٹون کردار چلی ولی یاد آ جاتے ہیں (ویسے ایمان کی بات ہے پوتن ان کرداروں سے خاصا مشابہ ہے)۔ ولاڈیمیر ہمارے فارم سے خاصا متاثر نظر آتا تھا لیکن جاتے وقت اس نے سرگوشی میں کہا ''جارج تم روسیا آؤ گے تو میرا فارم دیکھ کر دنگ رہ جاؤ گے تمہارا ملک بے شک میرے ملک سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ اور خوشحال ہے لیکن میرا فارم تمہارے فارم سے کہیں بڑا اور کہیں زیادہ خوبصورت اور قیمتی ہے''۔ پھر اس نے ہمیں ایک واقعہ سنایا کہ کس طرح آنجہانی سٹالن انقلاب کے چند برس بعد اپنی والدہ کو رولس رائس گاڑی پر دریائے والگا کے کنارے اپنے فارم اور سمر ہاؤس پر لے گیا اور پھر واپس کریملن لے آیا اور جب بڑی بی قصر کریملن کی سیر سے فارغ ہو چکیں تو سٹالن سے کہا بیٹا میں دعا

کرتی ہوں کہ یہاں کمیونسٹ دوبارہ کبھی نہ آئیں ورنہ تم سے یہ فارم اور محل چھین لیں گے اور کامریڈ سٹالن زیرلب مسکراتے رہے۔...... اف یہ نامراد جمہوریت' اس کی وجہ سے ہمیں ایک بھوکے ننگے' پسماندہ اور خیرات پر پلنے والے ملک کے حاکم کے توہین آمیز کلمات سننا پڑے ...... کانگریس...... کمیٹیاں...... سینٹ...... آڈٹ ...... پریس...... الیکٹرانک میڈیا ...... بے شمار مصیبتیں اور مصیبتیں ہی مصیبتیں ...... کیا بات ہے روسیا کی اخبار گڑبڑ کریں تو اخبار بند اور بدمعاش اخبار نویس جیل میں بند' الیکٹرانک میڈیا تو خیر جتنا بھی ہے' ہے ہی سرکاری...... سٹینڈنگ کمیٹیوں اور آڈٹ وغیرہ کا تو وہاں کسی نے نام بھی نہ سنا ہوگا اور رہی پارلیمنٹ...... تو اگر وہ گڑبڑ کرے تو اس پر ٹینک چڑھا دو...... واہ کیا بات ہے......

تشریف لانا ہند کے مرد بیمار شری اٹل بہاری واجپائی کا:

کالج کے دنوں میں ایک کہانی پڑھی تھی...... ہندوستان کے کسی مسلمان بادشاہ کی اپنے ہندو وزیر کے ساتھ بحث ہوئی کہ کون زیادہ ذہین ہے' ہندو یا مسلمان؟ وزیر کا اصرار تھا کہ ہندو زیادہ ذہین ہے اور مسلمان بیچارہ تو بالکل سیدھا ہوتا ہے۔ ذہانت کا تو اس کے ساتھ واسطہ ہی نہیں۔ اپنے موقف کو عملی طور پر ثابت کرنے کے لیے وزیر نے ایک مسلمان کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ بادشاہ سلامت تمہاری داڑھی خریدنا چاہتے ہیں کتنی رقم لو گے (واضح رہے کہ ہندوستان میں داڑھی عزت کی علامت ہے) غریب مسلمان جسے شاید پچیس سے آگے گنتی نہیں آتی تھی جھٹ بولا ''پچیس روپے سے کم ایک پائی نہیں لوں گا۔ چنانچہ اسے پچیس روپے دے دیئے گئے اور شاہی حجام نے اس کی داڑھی مونڈ لی۔ پھر ایک ہندو بنیے کو بلا کر شاہی پیشکش اس کے سامنے رکھی گئی' اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا ''ہم بادشاہ سلامت کی رعایا' ان کے غلام' ہم بھی بادشاہ کے' داڑھی بھی بادشاہ کی' داڑھی کیا جان بھی حاضر ہے بادشاہ سلامت حکم کریں اپنی گردن اپنے ہاتھوں کاٹ کر بادشاہ سلامت کے قدموں میں ڈال دیں''...... وزیر نے کہا نہیں لالہ اس کی ضرورت نہیں سرکار کو داڑھی ہی درکار ہے اور وہ بھی قیمتاً تم قیمت بتاؤ''...... بنیا ہاتھ جوڑ کر بولا' سرکار دو سال پہلے ہمارا بیاہ ہوا اس پر دس ہزار روپے خرچ کیے کس لیے اس داڑھی کی عزت کے لیے' پارسال ابا مرے

ان کے کریا کرم پر بیس ہزار خرچ کیے کس لیے اس داڑھی کی عزت کے لیے' نئی حویلی بنوائی پچاس ہزار اس پر خرچ کر دیے کس لیے اس داڑھی کی عزت کے لیے' بیٹا پیدا ہوا اس کے مونڈن پر پانچ ہزار خرچ کیے...... غرض داڑھی کی قیمت ایک لاکھ تک لے گیا اور آخر میں کہا بادشاہ کی اپنی داڑھی ہے بلا معاوضہ لے لیں''۔

ایک لاکھ روپے خزانے سے منگوا کر بنیے کے حوالے کیے گئے' اب جو شاہی حجام داڑھی مونڈنے بیٹھا جیسے ہی اس نے ہاتھ لگایا بنیے نے تڑاخ سے ایک تھپڑ رسید کیا بولا گستاخ بادشاہ سلامت کی داڑھی کو ہاتھ لگاتا ہے۔ چنانچہ لاکھ روپیہ بھی لے مرا اور داڑھی بھی بچ گئی بلکہ ظل سبحانی کی ریش مبارک کی حفاظت اور خدمت اور درجات میں اضافے کے نام پر اچھا خاصا ماہانہ وظیفہ بھی بندھوا لیا۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی وہ مسلمان جب اپنے گھر گیا تو برادری نے خوب لعنت ملامت کی چنانچہ واپس آیا اور بولا اپنے پچیس روپے لو اور میری داڑھی واپس کرو...... مونڈے ہوئے مٹھی بھر بال واپس لے کر چلا گیا۔

ایسے ہوتے ہیں ہندو بنیے' ایسا ہی کردار بھارت کا رہا' چین کے خلاف امریکہ سے امداد لیتا رہا' امریکہ کے خلاف روس کا پسندیدہ ملک بلکہ معتبر ترین حلیف رہا اور بے پناہ امداد وصول کی...... اور غیر جانبدار ممالک کا رہنما بھی رہا۔ بھارت یا ہند ایک ارب آبادی کا ملک ہے دنیا کی سب سے بڑی مڈل کلاس یہاں رہتی ہے' چنانچہ اس منڈی کی حیثیت کو بازار عالم میں خوب بیچ رہے ہیں حکمرانانِ ہند۔

مصنوعی گھٹنوں والے ناکتخدا مردِ پیر شری اٹل بہاری واجپائی اقوام متحدہ کے اجلاس میں شرکت کے لیے آئے تو ہم نے مدعو کر لیا۔ اپنی تجارتی کمپنیوں کے مفادات کے لیے ان کا بھاشن سننا پڑا۔ ان کی نصیحتیں برداشت کرنا پڑیں اور ان کی بے ربط اور بے مقصد گفتگو پر واہ واہ بھی کرنا پڑی۔

سرد جنگ کے دنوں میں کمیونسٹ بلاک سے باہر واحد قابل ذکر ملک ہند تھا جو روس کا حلیف تھا۔ ہم اس کے خلاف افغانستان میں لڑ رہے تھے اور والد بزرگوار اس جنگ کے ایک اہم سالار تھے...... اور آج ہم ان کے لائق فرزند اسی ہند کے نخرے اٹھا رہے ہیں ...... آہ کاروباری مجبوریاں

کیمپ ڈیوڈ میں عجیب الخلقت مچھلی کا شکار:

کیمپ ڈیوڈ ایک پرفضا اور محفوظ جگہ ہے۔ جہاں ہم چھٹیاں مناتے ہیں' آرام کرتے ہیں اور شکار کھیلتے ہیں...... مچھلیوں کا اور قوموں کا۔ لفظ ڈیوڈ سے آپ ڈیوڈ سٹار (ستارۂ داؤدی) تک پہنچ گئے...... صحیح سمجھے آپ' یہاں صیہونیوں اور مملکت اسرائیل کے مفادات کا تحفظ ہوتا ہے۔

گزشتہ دنوں ہم نے یہاں ایک مچھلی شکار کی' عجیب الخلقت مچھلی تھی جیسے ہی پانی سے باہر آئی' بزبان فصیح گویا ہوئی ''بے بدبخت انسان' انسانوں کے شکار سے تمہارا جی نہیں بھرتا کہ ہم بے زبانوں پر بھی ستم ڈھاتے ہو''۔ لارا اور ہم کافی دیر اس پر سوچ بچار کرتے رہے کہ مچھلی کس ایجنسی کی ہوسکتی ہے۔ کے جی بی کا تو خاتمہ بالخیر ہوچکا' کیا یہ القاعدہ کی ایجنٹ ہوسکتی ہے؟ اور کیا القاعدہ کے پاس اتنی ترقی یافتہ ٹیکنالوجی آچکی ہے کہ وہ بولنے والی مچھلیاں بناسکیں؟ لارا نے کہا سوچیے اگر منہ کھولنے پر بولنے کی بجائے یہ دھماکے سے پھٹ جاتی تو؟ ہم بے حد خوفزدہ ہوئے فوراً قومی سلامتی کے انچارج کو طلب فرمایا اور تمام ماجرا اسے سنایا...... وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ بدبخت سمجھ رہا تھا کہ یا تو ہم ٹپسی ہیں یا پھر القاعدہ کا خوف ہمارے دماغ میں اس قدر نفوذ کر گیا ہے کہ ہمیں Hallucinations ہونے لگی ہیں۔ ہم نے اس گستاخ کو برخاست کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر یہ سوچ کر باز رہے کہ اگر اس ملعون نے یہ سٹوری اخبارات کو دے دی تو ہمارا کس قدر ٹھٹھا اڑے گا۔

مقعد شاہی کی جراحی:

سانحۂ ستمبر یازدہ کے بعد مہمانوں کی خاصی آمد و رفت رہی' ان میں کافی مشرقی تھے۔ یہ بدبخت مرچ مصالحہ جات بہت استعمال کرتے ہیں۔ ان کے لیے طعام بنے تو ہم نے بھی کھائے نتیجتاً مقعد میں زخم ہوگئے۔ کچھ ولاڈیمیر کے ساتھ بیٹھ کر شغل مے نوشی کیا تھا اور کثرت سے کیا تھا وہ بھی وجہ ہوسکتی ہے۔ پوتن حد سے زیادہ بلانوش ہے اور پھر بدبخت چیلنج کرتا ہے کہ ہم سا ہو تو سامنے آئے۔ ریاست ہائے متحدہ کے وقار کو سربلند رکھنے کے لیے ہم بھی جام پر جام چڑھاتے رہے اور یہ آتش سیال ہمارے مقعد کو جلاتی رہی۔ لارا کا خیال

ہے کہ ہم نے جو عرب شیوخ کی ضرورت سے زیادہ دعوتیں کیں اور ان کے ساتھ اونٹ کے گوشت کی ڈشیں اور اونٹنی کے دودھ سے بنی پڈنگ' کسٹرڈ اور آئس کریم اور کھجوروں کا حلوہ کھاتے رہے اس کے نتیجے میں ہمیں یہ مرضِ شب چراغ یعنی بواسیر لاحق ہوئی۔ بہرحال وجوہات جو بھی رہی ہوں ڈاکٹروں نے مقعد کی جراحی کا فیصلہ کیا۔ ہم نے ان سے کہا جس طرح ہم جنگیں براہ راست ٹیلی ویژن پر دکھاتے ہیں اور اس سے قوم کو ہماری فتوحات کے ساتھ ساتھ ہماری تکالیف اور قربانیوں کا بھی علم ہوتا ہے' اسی طرح ہماری اس اذیت کو بھی جو ہم قوم کی خاطر برداشت کر رہے ہیں عوام کو براہِ راست دیکھنا چاہیے اور اس دوران قومی نشریاتی رابطے میں کوئی تکنیکی خرابی نہیں آنا چاہیے۔ چنانچہ یہ دنیا کی پہلی اور شاید آخری جراحی مقعد تھی جو لوگوں نے ٹی وی پر براہِ راست دیکھی اور ریڈیو پر سنی۔ ہم نے کولن پاول سے کہا کہ اس واقعہ کو گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں شامل کر دیا جائے۔ چند روز بعد ہم نے اس سے دریافت کیا کہ کیا اس آپریشن کا ذکر کتاب میں چھپا تو بدبخت طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولا...... جناب صدر آپ کی مہربان معلومات کے لیے عرض ہے کہ گینز بک آف ریکارڈ سال بعد چھپتی ہے اور سال میں ایک ہی بار چھپتی ہے'' خدا اس کالے کو غارت کرے۔

حاکم پاکستان سے کیمپ ڈیوڈ میں ملاقات اور ہمارا تذکرہ ادبیات مشرقیہ میں:

ہم نے حاکم پاکستان جنرل پرویز مشرف کو کیمپ ڈیوڈ میں شرف ملاقات بخشا' یہ شرف ہم اپنے بہت قریبی دوستوں کو بخشتے ہیں۔ مشرف صاحب انتہائی معقول شخص ہیں' محبت کرنے والے' بات سمجھنے والے اور بات ماننے والے' بتا رہے تھے کہ پاکستان میں لوگ ہم سے بہت محبت کرتے ہیں (ہم سے مراد ہم ہیں یعنی ہم) اور یہ کہ لوگ ہم سے خوفزدہ بھی بہت ہیں۔ یہ بہت ضروری ہے' خوف شامل نہ ہو تو خالی محبت لوگوں کا دماغ خراب کر دیتی ہے۔ مشرف صاحب نے بتایا کہ ہمارا نام وہاں محاوروں اور ضرب الامثال میں استعمال ہو رہا ہے' انہوں نے اپنے کسی مشہور شاعر مرزا غالب کا ایک شعر بھی سنایا

ڈر نئیں مرزا کُش نئیں ہندا
ہر بندہ تے بش نئیں ہندا

ہم بے حد محظوظ ہوئے شاعر موصوف کے لیے گرین کارڈ کی پیشکش فرمائی تو مشرف صاحب کی اہلیہ نے بتایا کہ انتقال فرما چکے ہیں' ہمیں خاصا صدمہ ہوا۔ ان سے کہا ہماری تعزیت شاعر کی اہلیہ تک پہنچا دیں تو معلوم ہوا کہ وہ بھی فوت ہو چکی ہیں' تب ہم نے ان کی اولاد تک دلی رنج کے جذبات پہنچانے کا کہا تو معلوم ہوا سب مر چکے ہیں' عجیب خاندان ہے سبھی مر گئے' کیا خوف سے؟

ڈیئر مش (کتنا پیارا لگتا ہے بش کا ہم وزن ہے) نے اسی بدنصیب مرزا کا ایک اور شعر سنایا جو ریاست ہائے متحدہ سے دوستی کے موضوع پر تھا کہ

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو

ہم نے ناپسند فرمایا۔ شکر ہے کہ شاعر زندہ نہیں ورنہ FBI کو اس کے القاعدہ سے روابط کے بارے میں تحقیق کی زحمت اٹھانا پڑتی۔

بڈی کی اچانک علالت اور منسوخ ہونا ہماری جملہ مصروفیات کا:

آج ہمارا پیارا بڈی یعنی سگ اول علیل پڑ گیا۔ اچھا بھلا ہمارے اور خاتون اول لارا کے درمیان میں سویا تھا' صبح ہم مٹر گشتِ سحر کے لیے بیدار ہوئے اسے جگایا تو وہ اٹھ نہیں رہا تھا حالانکہ عام طور پر صبح ہمیں بڈی ہی جگاتا ہے' بڈی نے ناشتہ کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ لارا کی حالت صدمے سے انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔ انہوں نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا (اپنا) بڈی کے معالج خصوصی کو طلب کیا گیا' اس نے بڈی کے خون' پیشاب کے نمونے لیے' آئی وی کینولا لگا کر ورید میں خوراک دینا شروع کیا...... ہم نے اپنی جملہ مصروفیات منسوخ کر دیں۔ خبر جیسے ہی باہر نکلی چہار دانگ عالم میں پھیل گئی' پلازوں چڑھ گئی...... تمام دوست احباب' سربراہان مملکت' سینیٹرز اور دیگر ہوا خواہان کے فون آنے لگے' فون اور ای میل اس کثرت سے آئے کہ تمام لائنوں کا دم گھٹ گیا یعنی چوک ہو گئیں۔

ڈاکٹر نے رپورٹ آنے پر بدہضمی تشخیص کی' تحقیقات پر پتہ چلا کہ ہمارے ارب پتی عرب دوست شیخ بوجم بن بوطغلیقہ نے اسے اپنا کھانا کھلا دیا تھا۔ بڈی بہت مہذب کتا ہے' مروت میں انکار نہ کر سکا نتیجتاً بیمار ہو گیا۔ ہم نے اپنے عملے کی بہت کھنچائی کی۔ قصرِ ابیض

کے چیف آف سٹاف (حاجب اعلیٰ) کو تنبیہ کی کہ آئندہ اس قسم کے سانحے کا اعادہ نہ ہونے پائے' ہم نے اس بارے میں خصوصی ہدایات قصرِ ابیض کی کتاب ازرق (بلیو بک) میں شامل کرنے کا بھی حکم صادر فرمایا۔ شیخ بوجم کو علم ہوا تو اس نے گلدستہ اور ایک بوتل نمک مولی اور ایک پیکٹ چورن اپھارہ بھجوایا ہم نے گلدستہ رکھ لیا اور ادویات کو انتھراکس ٹیسٹ کے لیے محکمۂ صحت کے حوالے کر دیا۔ عربوں کا کیا اعتبار...... شام کو کہیں جا کر بڈی کی حالت سنبھلی۔ جیسس کرائسٹ اسے اپنی امان میں رکھے اور ہماری عمر بھی اسے لگ جائے بے حد پیارا کتا ہے۔

آغاز مہم چندہ گیری برائے انتخابات اور ہائی وڈ میں طعام شب:

دیگر جمہوری ممالک کی مانند ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بھی ایک بیہودہ' نامعقول اور اذیت ناک عمل انعقادِ انتخابات ہے' مابدولت اس کا تذکرہ سابقہ صفحات میں کہیں فرما آئے ہیں اور اس کے بارے میں اپنے تحفظات اور ناپسندیدگی کا اظہار فرما آئے ہیں۔ یہ عمل جسمانی اور ذہنی لحاظ سے بے حد تھکا دینے والا اور معاشی لحاظ سے بھٹہ بٹھا دینے والا ہوتا ہے۔ میڈیا کی بک بک' چخ چخ الگ' بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کی سکروٹنی ہوتی ہے' چھوٹے سے چھوٹے معاملے کو اچھالا جاتا ہے' پورے خاندان کی کئی نسلوں تک معاشی' سماجی اور جنسی امور کی چھان بین ہوتی ہے' اگر کسی امیدوار کی نانی یا پردادی کا بھی میڈیا کے خود ساختہ اصولوں کے مطابق کوئی غیر اخلاقی معاملہ رہا ہو تو اسے عوام کے سامنے لایا جاتا ہے۔

خود مابدولت کو اپنے کئی بزرگوں اور بزرگنیوں کے نام نہاد ناشائستہ جنسی امور کا علم اپنی انتخابی مہم کے دوران ہوا اور ان کے بارے میں (جن میں سے کچھ تو آنجہانی ہو چکے ہیں) اپنی بچپن سے قائم کردہ رائے تبدیل کرنا پڑی۔

معاشی لحاظ سے دیکھا جائے تو ملین ہا ڈالرز کے اخراجات ہوتے ہیں' لیکن خدا بھلا کرے ملٹی نیشنل اور ٹرانس نیشنل کمپنیوں کا کہ ملین ہا ڈالرز ہی کے حساب سے چندہ دیتے ہیں۔ چنانچہ انتخابات کی آمد آمد کا غلغلہ جیسے ہی شروع ہوا مابدولت کے حامیوں اور ہوا خواہوں نے چندہ مہم کا آغاز شد و مد سے کر دیا۔ اگر چہ طلائے سیاہ کے کاروبار کے نتیجے میں ہمارے پاس سب کچھ ہے لیکن روایت روایت ہے اور پھر ہم اپنی حق حلال کی کمائی اس

فعل قبیح پر کیوں ضائع کریں چندہ گیری کے مختلف طریقے ہوتے ہیں' ان میں سے ایک صدر یا متوقع صدر کے ساتھ رات کا کھانا اپنے پیسوں سے کھانے کا عمل ہوتا ہے۔ کیا شاندار روایت ہے...... مشرقی اس پہ ناک بھوں چڑھائیں گے' چڑھاتے پھریں' سیٹلائٹ یہ نہیں چڑھا سکتے' سپیس شٹل' یہ نہیں چڑھا سکتے بس ناک بھوں اور آستینیں چڑھا سکتے ہیں یا پھر اپنے لیڈروں کو بانس پر چڑھا سکتے ہیں' سو چڑھاتے رہیں عرش آشیانی کا کیا جاتا ہے...... بہرحال ایک کھانا (عموماً بدذائقہ) فی کس کئی ہزار ڈالر کا پڑتا ہے۔

اس قسم کا چندہ طبقہ جہلا' مڈل کلاسیے' چھوٹے تاجر وغیرہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ صدر کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے تصویر کھنچواتے ہیں اور پھر عمر بھر ملنے والوں اور اپنی اولادوں اور اولادوں کی اولادوں کو بتاتے رہتے ہیں کہ ہم نے صدر کے ساتھ کھانا کھایا تھا' ہاتھ ملایا تھا اور تصویر کھنچوائی تھی۔

رہے ملٹی نیشنل اور ٹرانس نیشنل' وہ لوگ ایسے گھوڑے پر داؤ لگاتے ہیں جس کی جیت کے امکانات روشن ہوں بلکہ جسے وہ چندہ دیتے ہیں جیتتا صرف وہی ہے۔

یہ کمپنیاں بدلے میں ایشیائی اور افریقی عوام (بلکہ امریکی عوام کو بھی) کو لوٹنے کی کھلی چھٹی مانگتے ہیں۔ ہمارا کیا جاتا ہے' ہمارے جنت مکانیوں کا کیا جاتا ہے اور پھر ہماری اپنی بھی تو کمپنیاں ہوتی ہیں تو اسی سلسلے میں ایک ڈنر ہالی وڈ میں ہوا' تمام بڑے سٹارز موجود تھے اور سٹارنیاں بھی تھیں اور پوری آب و تاب کے ساتھ تھیں' چمکتے لباس' دمکتے بدن بلکہ بدن ہی بدن کیونکہ لباس تو نہ ہونے کے برابر تھے۔ کم بخت لارا مسلسل ہمارے ساتھ چپکی رہی اور یوں ہماری ایک اور شب غارت ہوگئی۔ اس نے ہمیں صرف بوڑھے پھونس اور بدصورت اداکاروں اور اداکاراؤں کے ساتھ بغل گیر ہونے کی اجازت دی۔ خوبصورت خواتین سے ہم صرف مسکراہٹیں ہی وصول کر پائے۔ سلمیٰ ہائیک نامی ایک میکسیکن اداکارہ جس کے بارے میں ہمیں کئی ایک سہانے اور پرائیویٹ سپنے آ چکے ہیں وہاں موجود تھی اور ہم نے بہت کوشش بھی فرمائی اس کے ساتھ معانقہ کرنے کی لیکن قطامہ لارا نے یہ کوشش ناکام بنا دی۔

سو ہمارے اطراف رات بھر حسن کی ندیاں بہتی رہیں اور ہم پیاسے کے پیاسے رہے' ہم نے تہیہ کیا کہ آئندہ سے بل کو نہیں خود کو حماقت مآب کہیں گے۔
